

مشترکہ خاندانی نظام
اور
اس کا تجزیاتی مطالعہ

ساس بہو؟!

حنیف محمود

لجنہ اماء اللہ اسلام آباد

کیا آپ؟

۱۔ (دین حق) کے لغوی معنی سلامتی کے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس پر ایمان لانے والے کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ (دین حق کا پیروکار) وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے (پیروکار) محفوظ رہیں۔۔۔ کیا آپ اپنے اہل خانہ و عزیز و اقارب کے لئے سلامتی کا باعث ہیں۔ کیا آپ کی زبان اور ہاتھ سے آپ کے افراد خانہ محفوظ ہیں؟

۲۔ ''ایمان'' امن سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے ''**المومن من یامنه الناس**'' کہ مومن وہ ہے جس سے دوسرے لوگ امن میں رہیں۔ کیا اس تعریف کے مطابق آپ کے گھر میں بسنے والے افراد، اور عزیز و اقارب آپ سے امن میں ہیں؟

۳۔ ''Love For All Hatred For None'' ایک ایسا سلوگن ہے جو جماعت احمدیہ کی پہچان بن چکا ہے اور اس سلوگن پر ہم فخر بھی کرتے ہیں۔ کیا اس سلوگن میں بیان شدہ ''All'' میں جن کے ساتھ محبت کرنے کو کہا گیا، آپ کی اپنی ''آل'' شامل ہے؟۔ آل اولاد اور عزیز و اقارب شامل ہیں؟

ٹائٹل کی تبدیلی کے ساتھ دوسرا ایڈیشن

(احمدی احباب وخواتین کی تعلیم وتربیت کے لئے)

Joint Family System

مشترکہ خاندانی نظام

اور

اس کا تجزیاتی مطالعہ

("لباس" تصنیف کا حصہ دوئم)

ساس بہو؟!

حنیف احمد محمود

لجنہ اماء اللہ اسلام آباد

نام کتاب	مشترکہ خاندانی نظام اور اس کا تجزیاتی مطالعہ
مؤلف	حنیف احمد محمود
کمپوزنگ	عامر محمود، نصیر شاہ
طبع اول	اگست 2004ء
طبع دوئم	مئی 2005ء
طبع سوم	مارچ 2008ء
تعداد	ایک ہزار
منظوری از مرکز	زیر خط 2004-07-15/7
	نظارت اشاعت ربوہ
پبلشر	لجنہ اماء اللہ اسلام آباد
پرنٹر	الگور پرنٹرز

شبنم کا پہلا قطرہ

مکان اینٹوں سے بنتے ہیں اور گھر افراد سے وجود میں آتے ہیں اور گھر کی بہتر تعمیر میں ضروری ہے کہ افراد کے درمیان باہمی ہم آہنگی اور ربط موجود ہو۔ اگر ہم نظامِ کائنات پر نظر ڈالیں تو ہر فرد کسی نہ کسی گھر اور خاندان کا حصہ ہے، جس میں اس کے بیوی بچے، والدین، بہن بھائی اور دیگر عزیز و اقارب موجود ہوتے ہیں۔ اگر ان کے درمیان باہمی ہم آہنگی اور محبت و الفت کا جذبہ موجود ہو، اگر وہ ایک دوسرے کی شخصیات کو سمجھ کر معاملہ فہمی کرتے ہوں، اگر ان میں سے ہر ایک کو احساسِ تحفظ ہو کہ اگر وہ کسی مسئلہ کا شکار ہوا تو تمام افرادِ خانہ مل کر میری دادرسی کریں گے، اگر وہ تمام ایک دوسرے سے منسلک ہوں اور وہ سمجھیں کہ ایک دوسرے کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں، ہماری طاقت اور مضبوطی اکٹھا رہنے میں ہے اور ہمارے خاندان کا ایک سربراہ ہے جس کی چھتری کی چھاؤں میں ہم پُرسکون، خوشگوار اور محفوظ زندگی گزار سکتے ہیں تو وہ گھر اور خاندان جنت کا نمونہ ہے۔ اس کا دوسرا نام مِل جُل کر رہنا، ایک دوسرے کے لئے دُکھ سُکھ بانٹنا ہے۔ اور یہ بات ہمارے مشاہدہ میں آئی ہے کہ معاشرہ میں، سوسائٹی میں بسنے والے لوگ آپس میں مِل جُل کر رہنے پر مجبور ہیں۔ سوسائٹی کا ہر فرد دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ اسے اُس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کوئی گوالا ہے تو کوئی قصائی، کوئی سبزی فروش ہے تو کوئی موچی، کوئی دھوبی ہے تو کوئی ماشکی۔ غرض ان کی مدد کے بغیر، ان کی ضرورت کا احساس کئے بغیر معاشرہ میں، سوسائٹی میں رہا نہیں جا سکتا۔

پارٹیشن کے وقت جب جماعت احمدیہ کے دائمی مرکز قادیان کی حفاظت کا مسئلہ درپیش تھا تو سیّدنا حضرت المصلح الموعودؓ نَوَّرَ اللہ مرقدہ نے جماعت سے کچھ فدائین کا مطالبہ کیا جو قادیان میں مقیم رہ کر اس کی حفاظت کر سکیں۔ بہت سے جانثاروں نے جن کی تعداد 313 تھی، اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ حضرت المصلح الموعودؓ نَوَّرَ اللہ مرقدہ نے اپنی خداداد کمالِ حکمت اور فراست سے بعض ایسے دوست احباب کا چناؤ بھی کیا جو کہ تمام پیشے جانتے تھے، تا محاصرہ کے وقت ہر چیز اندر ہی سے دستیاب

ہواور روزمرہ اشیاء کے حصول کے لئے باہر جا کر خطرہ مول نہ لیا جائے ۔۔۔۔۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔ جب قادیان کا محاصرہ ہو چکا تو چھوٹے سے محلہ میں ہر چیز روزمرہ کی موجود تھی اور کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اور تمام درویشان اس مشکل اور کٹھن گھڑی میں بھی محفوظ رہے۔

کچھ ایسی ہی کیفیت سوسائٹی کے چھوٹے یونٹ خاندان یا گھر میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ایک خاندان کے ہر فرد کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ کوئی میرا غمگسار ہو جو میری مشکل میں میرا ساتھ دے سکے۔ میرا کوئی ہمدرد ہو جو سختی ترشی میں میرا دل بہلا سکے۔ بیمار ہُوں تو عیادت کر کے تسلی دے سکے۔ یہ تمام ہمیں مشترکہ خاندانی نظام میں بآسانی مل سکتی ہیں۔

اِن ہی اُمور کو تفصیل کے ساتھ ہمارے مربی ضلع مکرم حنیف احمد محمود صاحب نے اِس کتابچہ میں منضبط کیا ہے اور خاندان میں بسنے والے تمام رشتہ داروں کے آداب اور حقوق و فرائض کو بالخصوص ساس بہو کے تعلق کو اسلامی نکتہ نگاہ سے بیان کیا ہے۔ یہ دراصل محترم مربی صاحب موصوف کے تین لیکچرز ہیں جو آپ کی کتاب ''لباس (میاں بیوی کے حقوق و فرائض) کا درحقیقت Part-II ہیں اور دوست احباب و خواتین کے اصرار پر بعد از منظوری نظارت اشاعت ایک کتابچہ کی صورت میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ محترم مربی صاحب موصوف کی تصنیف ''لباس'' اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت پذیرائی حاصل کر رہی ہے اور ایک سال کے اندر اندر اُس کے تین ایڈیشن مارکیٹ میں آ چکے ہیں۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہ کتابچہ بھی لازماً احباب و خواتین کی تعلیم و تربیت میں بہت مفید ثابت ہو گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو اور اللہ تعالیٰ محترم مربی صاحب موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس اہم موضوع پر قلم اُٹھایا اور خاندان کو مِل جُل کر رہنے میں اسلامی تعلیم بیان کر کے ہمارے لئے یاددہانی کا موجب بنے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قلم اور تحریر میں برکت ڈالے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

سیّدہ ذاکرہ ناصر

صدر لجنہ اماء اللہ اسلام آباد

11-08-2004

جانوروں اور چرند پرند میں بھی جوڑے بن کر رہنے کا رواج ہے، جو ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ اگر کوئی پرندہ کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو اُس کا ساتھی اُس کے اردگرد بے چینی سے مَنڈلاتا ہے اور اُس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت وہ سخت بے چینی اور کرب کی کیفیت سے گزر رہا ہوتا ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اُسے اپنے ساتھی کے ساتھ پرندے سے بڑھ کر ہمدردی دکھلانی چاہئے۔ اور یہی ایک دوسرے کے غم اور دُکھ سُکھ میں شامل ہونا ہمیں مِل جُل کر رہنا سکھلاتا ہے، جس کو خاندان کا نام دیا جا سکتا ہے۔

(ایک دانشور)

انتساب

اس مبارک خاندان کے نام جس کے قیام کے لئے ہمیں قرآن واحادیث سے رہنمائی ملتی ہے اور جس کا عملی نمونہ ہمارے آقا ومولیٰ، ہادیٔ برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں نظر آتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

جانوروں اور پرندوں کی زندگی کا مطالعہ کرنا میرا مشغلہ ہے۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ جب کوئی جانور یا پرندہ بچے دینے کی حالت میں ہو یا انڈے سینک رہا ہو تو اُن دِنوں نر اپنی مادہ سے بہت پیار کا سلوک کرتا ہے۔

میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ مادہ فاختہ انڈوں پر بیٹھی تھی۔ نر فاختہ تھوڑی دیر بعد اپنی چونچ میں دانا لاتا اور اپنی مادہ کے مُنہ میں ڈالتا، اُس کے ناز اُٹھاتا، اس غرض سے کہ یہ ان دنوں ایک غیر معمولی مجاہدہ کر رہی ہے۔

کیا اس فاختہ میں انسان کے لئے سبق نہیں ہے؟ کیا انسان اس فاختہ سے سبق لے کر اپنی بیوی سے اُمید کے دنوں میں نرمی، پیار اور رأفت کا سلوک نہیں کر سکتا؟

(ایک دانشور)

باب اوّل

خاندان نام ہے مِل جُل کر رہنے کا

ایک عورت پہلے بہُو ہوتی ہے پھر ساس بنتی ہے، مگر ہر دو رُوپ میں اس کی سوچ اور نظریات مختلف ہوتے ہیں۔ آخر یہ کب تک؟

ذیلی عناوین

☆ حقوق وفرائض اور اس کا فلسفہ

☆ زوج لفظ میں حکمت

☆ حقوق وفرائض میں برابری

☆ رشتہ داریاں نبھانے میں تقویٰ ملحوظِ خاطر رہے

☆ ہم کُفو ہونا ضروری ہے

☆ میاں کو بیوی کے اور بیوی کو میاں کے والدین کا احترام

☆ ہر دُکھ اور درد میں خیال رکھنا

☆ بیوی کو خاوند کی معاشی حالت ہمیشہ سامنے رہے

☆ عورت اور مرد کا مقام

گو ''لباس'' کے الفاظ کا اطلاق میاں بیوی دونوں پر ہوتا ہے اور ان دونوں کو مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے ''لباس'' ہیں اور دونوں کو ''لباس'' کے حوالہ سے ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حُسنِ معاشرت کے لئے ہر دو کی سانجھی ذمہ داریاں ہیں۔

ہمارے معاشرہ میں مشترکہ خاندانی نظام (Joint Family System) ہونے کی وجہ سے ماحول کو، گھر کو پُرسکون رکھنے کے لئے، اسلامی اطوار پر استوار رکھنے کے لئے گھر میں موجود ہر فرد ذمہ دار ہے۔ گھر کو جنت نظیر بنانے کے لئے گھر میں موجود خاوند کے بھائی، بھابھیاں، نندیں، ساس اُسی طرح مخاطب ہیں جس طرح میاں بیوی۔ بلکہ بچی کے گھر کو جنت نظیر گھرانہ بنانے کے لئے بچی کے والدین اور عزیز واقارب کا کردار بھی شامل ہوتا ہے۔ اور بچی کو بیاہ دینے کے بعد بچی کے معاملات میں بلاوجہ مداخلت سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

بچی کی رُخصتی اُس پودے کے طرح ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ transplant کیا جاتا ہے۔ آغاز میں اُس پودے کی حفاظت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ اِسکی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ مناسب مٹی، مناسب کھاد اور مناسب پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ transplantation کے بعد اُسکی آب و ہوا اور موسم میں فرق آتا ہے۔ پانی تبدیل ہوتا ہے۔ مٹی کی تاثیر مختلف ہوتی ہے۔ گرمی کی حدّت اور سردی کی شدّت کو دیکھا جاتا ہے اور اُس مناسبت سے shelters کا انتظام بھی کیا جاتا ہے تا یہ پودا نئی مٹی کی خاصیت اپنائے اور اُس میں جذب ہو جائے۔

اِن تمام مراحل سے کامیابی سے گزرنے کے لئے تین کردار کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اوّل کردار تو اُس مالی اور باغبان کا ہے جس کے ہاں یہ پودا اپنی نرسری کے دن گزارتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔ اُس کی یہ بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ اُس کے ہاں پلنے والا یہ پودا گرمی اور سردی

کی حدّت اور شدّت برداشت کرنے کا عادی ہو، تا جب وہ transplant کیا جارہا ہو، وہاں کی سختی وغیرہ برداشت کرسکے۔

دوسرا کردار اُس نئے پودے کا ہے جو خود بھی موسم، آب وہوا اور ماحول کی سختیاں جھیل کرنئی جگہ میں adjust ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ گو ہم اُسے محسوس نہیں کررہے ہوتے اور وہ ساکت ہونے کی وجہ سے ان مشکلات کا اظہار بھی نہیں کرسکتا مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خود بھی کوشش کرکے موسم کی سختیاں برداشت کرتا ہے۔

پودے کی نشوونما میں تیسرا سب سے بڑا اور اہم کردار اُن کا ہوتا ہے جو پودے کو نرسری سے جُدا کرکے اپنے ہاں، اپنے گھر، اپنے ماحول کی خوبصورتی بڑھانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ وہ اپنے گھر لائے گئے اس ننھے سے پودے کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وقت پر پانی دیتے ہیں، کھاد ڈالتے ہیں۔ مناسب چھاؤں یا دھوپ کا انتظام کرتے ہیں۔ کبھی گملے میں لگے اس پودے کو اندر چھاؤں میں رکھتے ہیں اور کبھی اُٹھا کر باہر دھوپ میں لاتے ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو اس نرسری کے اصل مالک سے جو اس کا باغبان ہوتا ہے، اُس کو گھر بُلا کر پودے کو دکھلاتے ہیں اور مشورہ کرتے ہیں تا یہ پودا اپنی جگہ بدلنے کے باوجود بڑھے، پھلے پھولے اور پھیلے اور گھرانہ کے تمام افراد کے لئے خوشی اور خوبصورتی کا باعث ہو۔

بعینہٖ شادی کے بعد بچی جب ایک جگہ کو چھوڑ کر، اپنے ماحول سے جُدا ہوکر دوسری جگہ، دوسرے ماحول میں جارہی ہوتی ہے۔ اُس کو اُس پودے کی طرح نئی جگہ میں adjust ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اس کو بھی اُس پودے کی طرح تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ نئی جگہ میں اپنی جڑیں مضبوطی سے قائم کرنے کے لئے انہی تین کردار کا حرکت میں آنا ضروری ہے جن کا میں اُوپر ذکر کرآیا ہوں۔

اوّل تو بچی کے والدین کو جو اِس کے باغبان ہیں بالخصوص والدہ کو بچی کی ایسی رنگ میں تربیت کرنی چاہئے کہ وہ اگلے گھر کی سختیوں کو جو بسا اوقات سختیاں نہیں ہوتیں ماحول کے

تبدیل ہونے کی وجہ سے سختیاں لگ رہی ہوتی ہیں برداشت کرے۔اور اگر زمین سخت ملی ہے تو تب بھی پودے کی طرح ماحول کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو وہاں adjust کرنے کی کوشش کرے اور والدین کے کان بھرنے کی بجائے صبر وشکر سے کام لے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھک کر حالات کی تبدیلی کے لئے دُعا کرے۔بچی کو یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اُس کی مثال ''پانی'' جیسی ہے جو جس برتن میں ڈالا جائے وہی شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اِسی طرح والدین کو چاہئے کہ وہ پودے کی طرح بچی کو ایسے مواقع فراہم کریں کہ بچی بآسانی اپنے نئے گھر adjust ہو سکے۔اگر ماحول اجازت نہ دے تو بچی کو بار بار ملنے سے اجتناب کرنا چاہئے، تا والدین کی محبت کی کھچ بچی کے نئے ماحول میں adjust ہونے میں حائل نہ ہو۔اُردو محاورہ ''قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا'' کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ماں بچی کو رُخصت تو اس بول کے ساتھ کر رہی ہوتی ہے کہ

''میکے کی کبھی نہ یاد آئے، سُسرال میں اتنا پیار ملے''

لیکن خود حد سے زیادہ مداخلت کر کے میکے کی یاد دلانے کے سامان مہیا کرتی رہتی ہے۔

اِسی طرح بچی کی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اُسے سمجھائیں کہ تمہارا پیا گھر وہی ہے اس لئے صبر وشکر سے کام لو اور نئی جگہ اور نئی مٹی کو absorb کرنے کی کوشش کرو۔کیونکہ بچی اگر پہلے دو تین سال صبر سے گزار لے تو باقی ماندہ زندگی آرام سے گزرتی ہے۔

پودے کے پروان چڑھنے میں تیسرا کردار جو بہت اہم کردار ہے اُس خاندان کا ہے جو پودے کو نرسری سے جُدا کر کے لایا ہے، بعینہٖ بچی کو بیاہ کر لانے والوں پر اُس کی دیکھ بھال، اُس کی نشو و نما کی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔جہاں تک خاوند کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے وہ خاکسار کی تصنیف ''لباس'' میں بہت تفصیل سے بیان ہو چکی ہیں، اس کا مطالعہ کر لینا چاہئے۔ لیکن مشترکہ خاندانی نظام کے حوالہ سے گھر کو جنت نظیر بنانے کے لئے ساس، سُسر، نندوں، جیٹھوں، دیوروں اور بھابھیوں کی سانجھی ذمہ داری ہے جو گھر میں بچی کو بیاہ کر لائے ہیں۔جس

کے لئے ماحول نیا ہے۔ طبائع مختلف ہیں۔ اُس گھر کے رہن سہن کی وہ عادی نہیں۔ وہ اپنے ماں باپ، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر آئی ہے۔ وہ اکیلی ان کے لئے نئی ہے اور یہ سب اس کے لئے نئے ہیں۔ اس لئے اُس کے جذبات، خواہشات اور احساسات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس کی سہولتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ والدین سے ملانے کا مناسب انتظام کرنا بھی سُسرالیوں کے فرائض میں شامل ہے۔

حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''شریعت کا حُکم ہے کہ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے۔ مگر اس کے باوجود مرد عورت کو اس کے والدین سے ملنے سے نہیں روک سکتا۔ اگر کوئی مرد ایسا کرے تو یہ کافی وجہ خُلع ہو سکتی ہے۔ والدین سے ملنا عورت کا حق ہے مگر وقت کی تعیین اور اجازت مرد کا حق ہے۔ مثلاً خاوند یہ کہہ سکتا ہے کہ شام کو نہیں صبح کو مل لینا یا اس کے والدین کو اپنے گھر بلا لے یا اس کو والدین کے گھر بھیج دے۔'' (خطبات محمود جلد سوئم صفحہ ۲۰۶)

حقوق و فرائض اور اس کا فلسفہ:

گھر کو پُر امن رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام کے تمام افراد بلا کس و ناکس Give & Take کے اصول کو اپنائیں اور حقوق لینے کی بجائے ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کرنا سیکھیں۔ کیونکہ اُوپر بیان شدہ محاورہ میں Give یعنی ادائیگی کا ذکر پہلے ہے۔ اُردو میں بھی ''حقوق و فرائض'' کا لفظ رائج ہے جس میں حقوق کی ادائیگی کو مقدّم رکھا گیا ہے۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی صورت میں اپنے حقوق خود بخود follow کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ میں بدقسمتی سے حقوق کے حصول کے لئے جنگ لڑی جاتی ہے اور حقوق کی خاطر آوازیں بلند کرتے بہت نظر آتے ہیں۔ اور اب یہ سوچ بن گئی ہے کہ اگلا ہمارے حقوق کتنے ادا کرتا ہے اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے

کہ ''حقوق اس وقت تک کارگر ثابت نہیں ہو سکتے جب تک ان کے عوض فرائض بھی عائد نہ ہوں۔'' اس مضمون کو بہت سے مفکرین نے مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے:

مشہور مفکر ڈاکٹر بنی کہتے ہیں کہ حقوق و فرائض ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ اپنے نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو وہ حق ہے اور اگر دوسرے کے نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو وہ فرض ہے۔ گویا ہر حق کے ساتھ ایک متعلقہ فرض بھی وابستہ ہے۔

اگر قرآنی اصول تقویٰ کو ہر کوئی مدنظر رکھے تو ایسا پائیدار رشتہ قائم ہوتا ہے جس میں نہ تو کوئی دراڑ آتی ہے اور نہ کوئی شگاف پیدا کر سکتا ہے۔ اور اگر کبھی حالات خراب بھی ہونے لگیں تو مشترکہ خاندانی نظام میں سے کوئی نہ کوئی '' رجلٌ رشیدٌ '' تقویٰ کے مضمون کو سمجھتے ہوئے معاملہ فہمی کے لئے آگے بڑھتا ہے اور بکھرے ہوئے پھولوں کو پھر ایک گلدستہ کی شکل دے دیتا ہے۔

اس کے بالمقابل جہاں ماحول تقویٰ سے عاری ہو اور رشتہ ناطہ کی بنیاد بھی تقویٰ پر نہ ہو۔ وہاں رشتوں کے آغاز میں ہی بہت سے سُقم رہ جاتے ہیں۔ ایسے معاملات میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ ''شادی'' صرف نکاح یا رخصتی کے فنکشن کا نام سمجھا جاتا ہے۔ اور رخصتی تک یا رخصتی کے بعد کچھ عرصہ تک بہو چاند کا ٹکڑا نظر آتی ہے۔ اس کے والدین سے بھی پیار سے ملا جاتا ہے۔ آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا ہے۔ مگر پھر نظریں بدلنے لگتی ہیں۔ ترجیحات اور آراء بدلنے کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اچھی ماں جیسی ساس روایتی ساس بن جاتی ہے اور اُسے اُسی بہو میں جو چاند کا ٹکڑا نظر آتی تھی کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ وہی سلیقہ شعار، سُگھڑ اور سب کی آنکھوں کا تارا بہُو جاہل، گنوار اور بدتمیز ہو جاتی ہے۔ گویا ساس کو ''شکایت فوبیا'' ہو جاتا ہے۔ یہاں سے ساس اور بہُو میں سرد جنگ کا آغاز ہوتا ہے اور بہُو کو اپنی ملکیت سمجھا جانے لگتا ہے۔ جبکہ بچی کو شادی سے قبل یہ باور کرایا جاتا ہے کہ تم ''اپنے'' گھر جا رہی ہو۔ اور ''اپنے'' گھر آ کر ساس سے یہ سُنے کہ یہ تمہارا گھر نہیں ہے، یہ میرا یا ہمارا گھر ہے، میرے خاوند اور میرے بیٹے کی کمائی ہے، اِسے ہم اپنی مرضی سے چلائیں گے تو ذرا غور کریں کہ اس دُلہن پر کیا گزرے گی۔ بسا اوقات

نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ جس کو بڑی شان وشوکت سے گھر لایا گیا تھا اُسے مُٹھی میں سے ریت کی طرح نکال دیا گیا ہے۔

حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ المعروف بہ حضرت اماّں جان اپنی بہوؤں سے بیٹیوں کی طرح پیار کرتیں۔ اُن کا خیال رکھتیں اور اُن کی سب ضرورتوں کو پورا کرتیں۔ بہوؤں کے ساتھ سلوک کے متعلق آپ کی بڑی بہو حضرت اُمِ ناصر صاحبہ بیان کرتی ہیں:

''جب میری شادی ہوئی، میں گیارہ سال کی تھی۔ پہلے دن اماں جان نے مجھے اپنے ساتھ سلایا کہ یہ بچی ہے اُداس ہو جائے گی۔ اور بعد میں بھی مجھے اتنا پیار دیا اور میرا خیال رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی محبت بڑھتی ہی گئی۔ یہاں تک کہ میں اپنا میکہ بھول گئی۔ جیسے ایک ماں کی گود سے نکل دوسری ماں کی پیار بھری گود میں خدا نے مجھے بھیج دیا۔''

(ماہنامہ مصباح۔ اپریل 2004، صفحہ 13)

اِسی طرح لڑکی والے بسااوقات داماد کو 'اپنا'' بنانے کے لئے کئی جتن کرنے شروع کر دیتے ہیں اور ماں جس نے اپنے لختِ جگر کو خون پسینے سے پالا ہوتا ہے وہ یہ معاملہ برداشت نہیں کر پاتی تو جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ خلیج بڑھنے لگتی ہے اور دو خاندانوں کا ملاپ اور بندھن جو نکاح جیسے مقدس اعلان سے وجود میں آیا تھا جُدائی میں تبدیل ہونے لگتا ہے۔ ان کی فقط ایک ہی سوچ ہوتی ہے کہ شادی صرف نکاح اور رخصتی کا نام ہے اور اس وقت تک جب رخصتی نہ ہو جائے ماحول کو ہر صورت میں خواہ وہ منافقانہ ہو خوبصورت بنائے رکھو۔ ایسے خاندانوں اور ایسے لوگوں کو انگریزی کی یہ مثل یاد رکھنی چاہئے:

Marriage is not a word, but a sentence

کہ شادی صرف منگنی، نکاح یا رخصتی کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا جُملہ ہے جس کا آغاز 'منگنی' سے ہوتا ہے اور اختتام دونوں میاں بیوی میں سے کسی ایک کی وفات کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ یہاں بھی ختم نہیں ہوتا اور وفات یافتہ کے عزیز و اقارب سے مکمل وابستگی اور تعلقات قائم رکھنے کے ساتھ جاری رہتا ہے۔

''زوج'' لفظ میں حکمت:

اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے لئے ''زوج'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کے معنی ''جوڑے'' کے ہیں۔ دیکھا جائے تو جوڑے کی مماثلتیں ایک ہوتی ہیں۔ اُن کی خصلتیں آپس میں ملتی ہیں۔ اُن کا مقام ایک جیسا ہوتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی جب تک ایک دوسرے میں جذب نہ ہو جائیں، ایک دوسرے کے لئے قربانی کرنا نہ سیکھ لیں اور پائیدار رشتہ قائم کرنے کے لئے آپس میں اطوار و عادات کا تبادلہ نہ کرلیں تب تک ''زوج'' کا لفظ اُن پر اطلاق نہیں پاتا۔ ایک ہی بادام سے نکلی ہوئی دو گریوں کو اگر الگ الگ کر دیں تو وہ کہلاتی تو گریاں ہی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ خوبصورت بھی لگتی ہوں مگر اُن کا حُسن اُسی وقت دوبالا ہوتا ہے جب وہ دونوں ملا دی جائیں اور آپس میں پیوست ہو جائیں۔ پس جب تک میاں بیوی کے اخلاق، اُن کے اطوار، اُن کی عادات آپس میں مل نہ جائیں، اُن میں دُوئی نہ رہے تب تک ان کے لئے ''زوج'' کا لفظ نہیں بولا جا سکتا۔ تب تک معاشرت میں حُسن آ نہیں سکتا۔

حقوق و فرائض میں برابری:

دونوں میاں بیوی کے حقوق و فرائض برابر ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک دونوں برابر کے حقوق نہ رکھتے ہوں، جب تک دونوں اپنے فرائض کی کماحقہٗ ادائیگی نہ کریں تب تک گھر کی گاڑی صحیح طرح چل نہیں سکتی۔ میاں بیوی تو گاڑی کے دو پہیے ہیں جو ایک ساتھ چلتے ہیں اور اِن کو ایک ساتھ برابر چلانے کے لئے الائمنٹ alignment کی ضرورت ہوتی ہے، wheel balancing کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان پہیوں میں ہوا ایک جیسی رکھی جاتی ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک میں ہوا کی کمی ہو تو گاڑی ڈگمگا جاتی ہے۔ سٹیئرنگ ڈول رہا ہوتا ہے۔ بعینہٖ میاں بیوی جو گھر کی گاڑی کے دو پہیے ہیں اگر برابر نہ چلیں اور ''کچھ دو اور کچھ لو'' کے اصول کو اپناتے ہوئے حقوق اور فرائض کی ادائیگی نہ کریں تو گھر کی گاڑی بھی ڈگمگائے گی۔

گو دونوں برابر کے حقوق رکھتے ہیں مگر قرآن نے مرد کو ''قوّام'' کہہ کر فوقیت بخشی ہے، جسے بیوی کو ہر حالت میں اطاعت اور وفا کے جذبہ کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ ہمارے معاشرہ میں بھی جو اصطلاحیں ان کے لئے استعمال ہوتی ہیں اُن میں ''مرد'' کا لفظ پہلے آتا ہے جیسے میاں بیوی۔ کبھی بیوی میاں نہیں بولا جاتا۔ اِسی طرح Husbend & Wife ، Male & Female اور مذکر و مونث کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ اپنی ذات میں جہاں مرد کو یہ توجہ دلا رہے ہیں کہ فوقیت رکھتے ہوئے بھی، upper hand ہوتے ہوئے بھی مجازی خدا کہلاتے ہوئے بھی صنف نازک جو بہت دُور سے لا کر تمہارے سپرد کی گئی ہے، اُس کی سہولتوں کا خیال رکھنا تمہارا فرض ہے وہاں بیوی کو متوجہ کیا گیا ہے کہ تم بہر حال مذکر کے بعد ہو اور مذکر کے حقوق کی ادائیگی میں پیش پیش رہنا ہے۔

دونوں کے حقوق کی برابری تو قرآن کریم نے بھی تسلیم کی ہے۔ اور جا بجا ''الناس'' اور ''بشر'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جس میں مرد اور عورت دونوں مخاطب ہیں۔ اور خود ''لباس'' کا لفظ بھی ایک دوسرے کے یکساں حقوق کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے عیوب کو چھپانے کے ذمہ دار ہیں۔

رشتہ داریاں نبھانے میں ''تقویٰ'' ملحوظِ خاطر رہے:

جہاں تک مشترکہ خاندانی نظام (Joint family system) میں میاں اور بیوی کے تعلق کے علاوہ ساس، بہو، نند، بھابھی اور دوسرے افراد خانہ کے آپس میں باہمی روابط اور تعلقات کا سوال ہے، اُس میں بھی ہر دو فریق کو ''کچھ دو اور کچھ لو'' کے اصول کو اپنانا چاہئے۔ ایک خاتون کے مختلف روپ ہیں اور دیکھا یہ گیا ہے کہ ہر رُوپ میں اُس کا کردار مختلف ہوتا ہے جو غیر مناسب ہے۔ ایک خاتون ماں بھی ہے اور ساس بھی۔ مگر دونوں حیثیتوں میں اُس کا کردار مختلف ہے۔ ماں کی حیثیت سے اپنی بیٹی بارے اُس کی سوچ مختلف ہے وہ اس

روپ میں چاہتی ہے کہ میری بیٹی اپنے گھر میں خوش وخرم رہے۔ حکومت کرے۔ خاوند کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اور شادی سے قبل بیٹی کو جماعت کے ہر فنکشن میں ساتھ رکھتی ہے۔ نماز جمعہ پر لاتی ہے اور بہو کو یہ کہہ کر گھر چھوڑ آتی ہے کہ آخر گھر کی رکھوالی بھی تو کسی نے کرنی ہے۔ حالانکہ اُس کی اپنی اولاد کی، جو اس بہُو سے چلنے والی ہے، تعلیم وتربیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بہو کو اجلاسات میں اور نماز جمعہ پر ساتھ لے کر آئے اور جماعت سے ایک مضبوط تعلق قائم کروائے۔ ساس کے رُوپ میں بہو کے بارہ میں اُس کی سوچ اور اُس کے جذبات مختلف ہوتے ہیں اور بسا اوقات وہ کہہ ہی دیتی ہے کہ دُلہن گھبراتی کیوں ہو۔ اس طرح کی تکالیف اور مشکلات معاشرہ کا حصہ ہیں۔ میں بھی تو ان جیسی تکالیف اور مشکلات میں پروان چڑھی ہوں۔ میری ساس اور میری نندیں تو مجھ سے یہ یہ کہا کرتی تھیں۔ تم بھی اسے اب خاموشی سے برداشت کرو۔

ہر لڑکی پہلے بہُو پھر ساس بنتی ہے۔ اگر ہر عورت اس بات کو مدنظر رکھ لے کہ بہُو ہوتے ہوئے مجھ پر جو تکالیف گزری تھیں، اپنی بہُو کو اُن جیسی تکالیف میں مبتلا کرنے سے بہتر ہے کہ اپنے ساتھ بیتے حالات اور تکالیف سے سبق لے کر بہو اور اُس کے عزیز واقارب سے حُسن سلوک سے پیش آیا جائے اور اعلیٰ خاندانی اطوار کا اظہار کیا جائے تو گھر جنت نظیر بن سکتے ہیں۔ ایسی خواتین اپنی بیٹیوں کے بارہ میں تو چاہتی ہیں کہ وہ گھر میں موجود اپنی بھابھی پر حکومت کریں۔ اُس کی نگرانی کریں اُس کے لئے خرید وفروخت بھی کریں اور اگر بھابھی اور نند (بیٹی) میں اونچ نیچ ہو جائے تو فوراً اپنی بیٹی کی طرف داری کر جاتی ہیں جبکہ اپنی بیٹی کو بیاہ دینے کے بعد اُس کے بارے اُن کی سوچ مختلف ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہیں کہ اُسکی نندیں اس کے معاملہ میں مداخلت نہ کریں۔ وہ آزاد ہو۔ اور گھر کا نظم ونسق بھی خود چلائے اور گھر میں حکومت کرے۔

ماں اپنی بیٹی کو سہولت مہیا کرتے ہوئے رُخصتی سے دو تین ماہ قبل ہی گھر کا کام کاج اُس سے چھڑوا دیتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ بہت خدمت کرلی ہے اس بیٹی نے ہماری۔ اب یہ پرائی ہونے والی ہے۔ مگر بہو جب گھر آتی ہے تو اُس کے ہاتھوں کی مہندی کی رنگت بھی ابھی

بدلنے نہیں پائی ہوتی کہ اُس سے گھر کا کام کاج شروع کروا دیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اُس نے اب گھر ہی کے کام کاج کرنے ہیں۔ جہاں رہنا ہے کام بھی کرنا ہے۔ مگر اُس کے کچھ ارمان ہیں، جذبات ہیں۔ وہ کچھ خیالات لے کر آئی ہے کہ میں دُلہن بن رہی ہوں، میں ''اپنے'' گھر جا رہی ہوں۔ میں دُلہن بنی اپنی سہیلیوں کی طرح اپنے جیون ساتھی کے ساتھ باہر نکلوں گی۔ سیر کروں گی۔ ان حالات میں ساس کو ماں بن کر اُس کے جذبات کا خیال رکھنا چاہئے۔ اُسکی خطاؤں پر پردہ پوشی کرنی چاہئے۔ کیا وہ اپنی بیٹی کی خطاؤں کو نظر انداز نہیں کرتی۔ بیٹی کی کتنی غلطیوں پر وہ ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہے۔ پھر بہو کی معمولی معمولی باتوں کو کیوں اُچھالا جاتا ہے۔ کیا بیٹی سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا؟ ایسی صورت میں گھر کے کام کاج کے لئے بہوؤں اور بیٹیوں کے درمیان دن اور وقت مقرر ہو سکتے ہیں۔ جس میں آپس میں لڑائی کا اندیشہ کم ہو سکتا ہے۔

یہاں ایسی ماؤں کا ذکر بھی ضروری ہے جو داماد کو اپنا بنانے کی کوششیں شروع کر دیتی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ جب بیٹی ''پیا گھر'' سدھارتی تھی۔ اب میکے فرمائش کرتے ہیں ''داماد میکے گھر سدھارے'' گویا اب بیٹے کی رخصتی ہوتی ہے۔ اس ماں کی حالت زار کیا ہوگی جس نے پیدائش کی تکلیفیں برداشت کیں۔ بیٹے کی پیدائش پر خوشی کا جشن منایا اور اُس کی تعلیم و تربیت پر رات دن متفکر رہی۔ مگر شادی کے بعد اس کے سُسرالی اُسے صرف اپنا ہی بنا لیتے ہیں۔

بعینہٖ ایک بچی، بہو کے روپ میں اپنی ساس بارے نظریات مختلف رکھتی ہے اور بیٹی کی حیثیت سے اپنی ماں بارے اُس کی سوچ اور ہوتی ہے۔ کیا وہ اپنی ماں کی سختیوں پر یا اُس کے ناراض ہونے پر اُسے کوستی تھی۔ ہرگز نہیں وہ ہمیشہ خاموشی اختیار کرتی تھی یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ میری بوڑھی ماں ہے۔ پھر ساس کی سختی کو یا ناراضگی کو جو بسا اوقات طبائع مختلف ہونے کی وجہ سے سخت لگ رہی ہوتی ہیں کیوں اُچھالتی ہے۔ بچی کے میکے میں امی ابا کے ساتھ اس کے بہن بھائی بھی تھے۔ وہ اس کی غلطی پر روکتے ٹوکتے بھی ہونگے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ کسی مسئلہ پر اختلاف رائے بھی ہوتا ہوگا۔ کیا اس نے کبھی سوچا کہ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ پھر

سُسرالیوں کے گھر میں ذراسی نوک جھونک پر ناراضگی، مُنہ بسورنا، اسے ظلم گردانا کیوں؟ اُسے چاہئے کہ وہ پیار و محبت سے رہے اور برداشت کا مادہ پیدا کرے۔

یہ امر صرف عورتوں تک محدود نہیں ہے بلکہ بعض مرد حضرات کا سلوک بھی مختلف ہے۔ خاوند کی حیثیت سے بیوی اور اُس کے عزیز و اقارب کے بارہ میں وہ ایک جُدا سوچ رکھتا ہے۔ بسا اوقات اُن سے بدتمیزی سے بھی پیش آتا ہے۔ اُن کا اپنے گھر میں داخلہ بند کر دیتا ہے۔ بیوی کا والدین کے گھر جانا (جو اُس کا ایک شرعی حق ہے) بند کر دیتا ہے۔ خوشی و غمی میں اُن کو شریک نہیں کرتا اور ہمیشہ طعنے دیتا رہتا ہے۔ مگر بیٹے کی حیثیت سے وہ چاہتا ہے کہ وہ نہ صرف خود اپنے ماں باپ کی خدمت کرے بلکہ اپنی بیوی سے بھی کروائے۔ یہ دو رُخی سوچ اسلام کی تعلیمات کے منافی ہے اور شادی بیاہ سے متعلقہ بنیادی سبق ''تقویٰ'' کے بھی خلاف ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام میں ہر فرد کو دوسرے کے ساتھ برابری کا سلوک روا رکھنا چاہئے۔ یہ rift، یہ خلیج زیادہ تر وہاں پیدا ہو رہی ہے جہاں بچیاں خاوندوں سے زیادہ پڑھی لکھی ہیں اور بعض کیسز میں وہ نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو superior بھی سمجھتی ہیں۔

ہم کفو ہونا ضروری ہے:

شادی بیاہ کے معاملہ میں ہم کفو کے اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ لیکن اگر آپ دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر ایک تعلیم یافتہ بہو گھر لائی ہیں جو job بھی کرتی ہے تو پھر اس کی کچھ ضروریات ہیں، Requirements ہیں۔ ان کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہئے اور اس لحاظ سے اُس کے جذبات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اُس کا احترام ضروری ہے۔ دوسری طرف خود بچی کو بھی اپنی اعلیٰ تعلیم کا ثبوت دیتے ہوئے پیار و محبت کی فضا پیدا کرنی چاہئے۔ کہتے ہیں:

Education is not only information, but formation

کہ تعلیم صرف معلومات بڑھانے یا اُس میں اضافہ کا نام نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو مہذب کرنے کا نام ہے اور ایک تعلیم یافتہ بچی کی formation یہی ہے کہ وہ اپنی تعلیم کے بل بوتے پر، دُعاؤں کے ذریعہ، پیار و محبت کے پھول بکھیرتے ہوئے اپنے سُسرال کو اور اپنے خاوند کو رام کرے، نہ کہ اپنی تعلیم جتا کر ماحول کو خراب کرے۔

بچی کی تعلیم اُس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ موقع و محل کے مطابق بات کرے۔ اگر بچی اپنے میکے ملنے جانا چاہتی ہے تو یہ کہنے کی بجائے کہ "میں آج گھر جارہی ہوں" اگر یہ کہے کہ کیا میں آج گھر جاسکتی ہوں؟ تو اُس کو اجازت ملنے کے امکانات زیادہ ہوسکتے ہیں۔ بچی کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہر بار اُس کی مرضی کے مطابق اُسے اپنے والدین سے ملنے کی اجازت نہیں مل سکتی۔ خاوند کی اپنی بعض مجبوریاں بھی ہیں۔ ملازمت کے، تجارت کے بعض تقاضے بھی ہیں۔ جن کو اُس نے گھر چلانے کے لئے بہر حال پورا کرنا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں اُس نے اُن طعنوں سے بھی بچنا ہے جو اُسے بیوی کی "طرف داری" کرنے پر برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے۔ انہیں بھانپ کر بیوی کو اپنا گھر بسانا ہے اور اپنے نفس کی، جذبات کی قربانی دینی ہے اور بچی یہ ذہن میں رکھے کہ ہر گھرانے کے کچھ طور طریقے ہوتے ہیں، زندگی گزارنے کا اپنا ایک انداز ہوتا ہے اور وہ اپنے اسی انداز اور طور طریقوں میں خوش رہتے ہیں اور ان کی خواہش بھی ہوتی ہیں کہ جو بھی نیا فرد اس گھرانہ میں شامل ہوا ہے ان ہی کے انداز میں زندگی گزارے۔ ان حالات میں دُلہن اپنی نئی زندگی کے ابتدائی دنوں، ابتدائی مہینوں، ابتدائی سالوں میں ماحول کا بغور مطالعہ کرے اور ایک اچھی اور سمجھدار بہو ہونے کے ناطے حکمت عملی سے، پیار و محبت سے ان کے ماحول اور طور طریقوں کو سدھارنے کی کوشش کرے مگر کبھی بُرا نہ منائے۔ اور نہ ہی حالات سے مایوس ہو۔ ان حالات میں اپنے آپ کو مردانہ وار Adjust کرنے کی کوشش کرے۔ پانی کے بہاؤ میں ہمیشہ خشک اور مُردار چیز ہی بہتی ہے جبکہ پانی کے اُلٹے رُخ ہمیشہ زندہ انسان ہی تیرتا ہے۔

میاں کو بیوی کے اور بیوی کو میاں کے والدین کا احترام:

ایک اور قباحت جو آہستہ آہستہ ہمارے معاشرہ کا حصّہ بن گئی ہے اور جس کی وجہ سے بچی اور بچے کے نزدیک ساس سُسر کی قدر و منزلت میں فرق آ گیا ہے وہ امی اور ابا کے الفاظ کے مقابل پر آنٹی اور انکل کے الفاظ کا رواج پانا ہے۔ اگر بچی اور بچہ ساس کو امی اور سُسر کو ابا کہے تو ماں باپ والی محبت دلوں میں پیدا ہوگی۔ بچی تو تب بھی امی اور ابا کے نام سے پکار لیتی ہے جبکہ آج کل کے لڑکے کو بہت مشکل نظر آتا ہے کہ وہ اپنی ساس اور سُسر کو امی ابا کہے۔

ہر دکھ اور درد میں خیال رکھنا:

آج کے Tense ماحول میں روزمرّہ کی بیماریوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ سر درد، کمر درد، ٹانگ درد یا جسم کے کسی عضو میں درد تو روز کا معمول بن گیا ہے۔ ان حالات میں بھی ہر دو فریق کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآء ہونا ہے اور حکمت عملی اپنانی ہے۔ اگر کسی وقت اہلیہ کے سر میں درد ہے یا کوئی اور معمولی بیماری ہے تو خاوند کو چاہئے کہ اُس کے علاج معالجہ کا خیال رکھے۔ فوراً ڈاکٹر سے رابطہ کرے۔ اُدھر اہلیہ کو بھی چاہئے کہ ہر وقت بیماری کے راگ الاپنا اچھی بات نہیں۔ معمولی معمولی بیماری جیسے سر درد وغیرہ کو برداشت کرنے کا عادی ہونا چاہئے۔ خاوند صبح دفتر جائے تو بیوی نے سر پر کپڑا باندھا ہو اور شام واپس آئے تو سر پر پٹکا باندھے، درد بھری آہوں کے ساتھ خاوند کا استقبال کرے تو بیوی کے ساتھ محبت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ عورت کے لئے لازم ہے کہ گھر میں بناؤ سنگھار کا خیال رکھے۔ اسے دیکھ کر خاوند کو خوشی محسوس ہو۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے اپنی بیٹی محترمہ مریم صدیقہ صاحبہ (صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ) کو شادی کے بعد گھر سے رخصت کرتے وقت جو نصیحت آموز تحریر لکھ کر دی تھی، اُس میں لکھا تھا کہ:

''پس ایسے مبارک وجود (مراد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی، جن کے ساتھ محترمہ مریم

صدیقہ بیاہی جارہی تھیں) کواگر تم کبھی بھی خوشی دے سکو اور کچھ بھی ان کی تکان اور تفکرات کو اپنی بات چیت، خدمت گزاری اور اطاعت سے ہلکا کر سکو تو سمجھ لو کہ تمہاری شادی اور تمہاری زندگی بڑی کامیاب ہے اور تمہارے نامہ اعمال میں وہ ثواب لکھا جائے گا جو بڑے سے بڑے مجاہدین کو ملتا ہے۔۔۔۔۔ایک بات یہ ہے کہ بیوی اکثر اوقات بدمزاج یا خاموش رہے اور جب خاوند گھر میں آئے تو اُسے سچے دل سے خوش آمدید نہ کرے یا اس کی بات کاٹے یا ایسے الفاظ لوگوں کے سامنے کہے جس میں خاوند کی کسی قسم کی تحقیر ہو یا بہت نخرے کرے اور ناز برداری کی خواہش رکھے۔ اس کی خیر خواہی کی بات کو نہ مانے۔ مثلاً وہ کہے کہ میرے ساتھ کھانا کھاؤ تو جواب دے کہ مجھے بھوک نہیں۔ وہ کوئی دَوا تجویز کرے تو کہے یہ مجھے مفید نہیں ہوگی میں اسے استعمال نہیں کروں گی۔ وہ کوئی کپڑا یا تحفہ لا کر دے تو اُسے حقارت سے دیکھے۔ غرض ایسی بیسیوں چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن میں بیبیاں فیل ہو جاتی ہیں اور اپنی زندگی کو تلخ کر لیتی ہیں''۔

(مضامین ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب، جلد اول، صفحہ ۵۶۰،۵۶۱)

بیوی کو خاوند کی معاشی حالت ہمیشہ سامنے رکھنی چاہئے:

بیوی کو خاوند کی معاشی حالت کا بھی خیال رکھنا چاہئے اور بلاوجہ ایسے مطالبات نہ کرے جن کے پورا کرنے کے لئے خاوند کی جیب اجازت نہ دیتی ہو۔ آج کل ایک قباحت جو بالخصوص بڑے شہروں میں پیدا ہو رہی ہے اور جس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو رہے ہیں اور خاندان تباہ ہو رہے ہیں، وہ شام کا کھانا باہر کھانا ہے۔ اگر خاوند کی جیب اجازت دے تو ایک بار چھوڑ کئی بار باہر نکل کر کھانا کھایا جائے لیکن خاوند کو روزانہ ہی باہر نکل کر کھانا کھلانے پر مجبور کرنے سے حالات بگڑتے ہیں۔ اور کئی کیسز میں بات خلع یا طلاق تک پہنچتی ہے۔ کبھی کبھار outing کرنے میں حرج بھی نہیں ہے۔ ساس کو بھی چاہئے کہ وہ بعض اوقات outing کے لئے خود بھجوائے بھی۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ اُن کا اکٹھے رہنا۔ اُٹھنا بیٹھنا باہر کھانے

پر جانا ساس پر بسا اوقات نا گوار گزرتا ہے۔ وہ بہو کے خلاف باقاعدہ محاذ بنالیتی ہے اور گھر کے دیگر افراد بھی اس جنگ میں اپنا حصہ ضرور ڈالتے ہیں۔ یوں گھریلو ماحول تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ گھر کی بہتر تعمیر میں ضروری ہے کہ گھر کے افراد کے درمیان باہمی ہم آہنگی اور ربط موجود ہو اور ہر فرد کو احساسِ تحفظ ہو کہ اگر وہ کسی بھی مسئلے کا شکار ہوگا تو افرادِ خانہ اس کے مسائل کو حل کرنے میں اس کی مدد کریں گے اور اس کے مسئلے کو سنجیدگی سے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:

"تقویٰ اختیار کرو۔ دنیا اور اس کی زینت سے بہت دل مت لگاؤ۔ قومی فخر مت کرو۔ خاوندوں سے وہ تقاضے نہ کرو جو ان کی حیثیت سے باہر ہوں۔ کوشش کرو کہ تا تم معصوم اور پاکدامن ہونے کی حالت میں قبروں میں داخل ہو۔ خدا کے فرائض۔ نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ میں سستی مت کرو۔ خاوندوں کی دل و جان سے مطیع رہو۔ ان کی اطاعت کرتی رہو۔ بہت سا حصہ ان کی عزت کا تمہارے ہاتھ میں ہے سو تم اپنی ذمہ داری کو ایسی عمدگی سے ادا کرو کہ خدا کے نزدیک صالحات قانتات لکھی جاؤ۔ تقویٰ کے بہت سے اجزاء ہیں عُجب، خود پسندی، مال حرام سے پرہیز اور بد اخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے"۔ (روزنامہ الفضل، ۱۱/ جون ۲۰۰۴ء)

عورت اور مرد کا مقام:

کہتے ہیں کہ مرد اگر پھول ہے تو عورت اُس کی خوشبو۔ ہر زبان کی کچھ کہاوتیں اور ضرب المثل ہوتی ہیں جو اپنے اندر بہت گہرے سبق لئے ہوتی ہیں۔ اُوپر بیان کردہ ضرب المثل میں دونوں کو اُن کا مقام اور اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

مرد کو پھول کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے کہ خار دار جھاڑیاں یا کانٹا بن کر ہر وقت اپنی بیوی کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بننا۔ اُس کے لئے چبھن کا باعث نہیں بننا بلکہ پھول جس طرح نرم و نازک ہوتا ہے اُس طرح اپنی اہلیہ سے ملاطفت کا سلوک کرنا ہے۔ اور دوسری

طرف عورت کو خوشبو کہہ کر اُسے توجہ دلائی گئی ہے کہ آپ نے ہر حال میں اپنے خاوند کے لئے نیک شہرت کا باعث بننا ہے اور خوشبو کا کام دینا ہے۔

ایک اور مثل میں مرد کو آنکھ کہا گیا ہے اور عورت کو اس کی بینائی۔ اس میں بھی عورت کو مخاطب ہو کر کہا گیا ہے کہ آپ اتنی زیرک، بافراست اور سُگھڑ ہوں کہ آپ سے آپ کا خاوند رہنمائی لے۔

پھر کہتے ہیں کہ "ہر کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے"۔ یہ ضرب المثل بھی اپنے اندر ایک صداقت، ایک حقیقت لئے ہوئے ہے۔ اگر عورت خاوند کے لئے پریشانی کا باعث بنے گی، ہر وقت طعنے دے گی، صبح دفتر جا رہا ہوگا تو ناخوشگوار موڈ میں اور شام کو اگر سب کچھ بھُلا کر گھر میں داخل ہوگا اور بیوی ناخوشگوار موڈ سے، ساس کے خلاف شکایات کی پَنڈ اُٹھائے ملے گی تو پھر لازمًا بے سکونی پیدا ہوگی تو وہ مَرد باہر کے کام کیسے خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکے گا۔ وہ ہرگز کامیابی کے مراحل طے نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر خاوند کو گھر سے سکون ملے گا تو وہ باہر کے امور بھی احسن طریق سے نبٹائے گا اور کامیابیاں اُس کے قدم چومیں گی۔ اس ضمن میں ایک مثال ہی دینا چاہوں گا کہ کئی جگہوں پر بھائیوں میں باوجود اس کے کہ ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہوتا ہے وہ الگ الگ رہ رہے ہوتے ہیں مگر اُن میں مثالی اتحاد دیکھنے کو آتا ہے۔ ان بھائیوں کا اُٹھنا بیٹھنا ایک ہوتا ہے۔ آپس میں صلاح مشورے سے تمام کام سرانجام پا رہے ہوتے ہیں۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تمام ان بھائیوں کا کمال ہے لیکن اس کامیاب اسلامی گھرانہ اور ان کامیاب مردوں کے پیچھے ان کی بیویوں (جو آپس میں بھابھیاں لگتی ہیں) کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہ تمام ان بیویوں کا کمال ہے جو اپنے خاوندوں کو (جو آپس میں بھائی بھائی لگتے ہیں) ایک پلیٹ فارم پر جمع رکھے ہوئے ہوتی ہیں۔

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ کی وفات پر جو ۱۸۸۹ء کو ہوئی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے درج ذیل تعزیت کا خط لکھا۔ جس میں جہاں بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ملتا ہے وہاں ایک اچھی عورت کا کردار بھی درج ہے۔ آپؑ تحریر فرماتے ہیں:

''درحقیقت اگرچہ بیٹے بھی پیارے ہوتے ہیں بھائی اور بہنیں بھی عزیز ہوتی ہیں لیکن میاں بیوی کا علاقہ ایک الگ علاقہ ہے جس کے درمیان اسرار ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ہی بدن اور ایک ہی وجود ہو جاتے ہیں۔ ان کو صدہا مرتبہ اتفاق ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی جگہ سوتے ہیں وہ ایک دوسرے کا عضو ہو جاتے ہیں بسا اوقات ان میں ایک عشق کی سی محبت پیدا ہو جاتی ہے اس محبت اور باہم اُنس پکڑنے کے زمانے کو یاد کر کے کون دل ہے جو پُر آب نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ تعلق ہے جو چند ہفتہ باہر رہ کر آخر فی الفور یاد آتا ہے۔

اس تعلق کا خدا نے بار بار ذکر کیا ہے کہ باہم محبت اور اُنس پکڑنے کا یہی تعلق ہے۔ بسا اوقات اس تعلق کی برکت سے دُنیوی تلخیاں فراموش ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس تعلق کے محتاج تھے۔ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی غمگین ہوتے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ران پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے اَرِحْنَا یَا عَائِشَۃ ہمیں خوش کر کہ ہم اس وقت غمگین ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ اپنی پیاری بیوی، پیارا رفیق اور انیس عزیز ہے، جو اولاد کی ہمدردی میں شریک غالب اور غم کو دور کرنے والی اور خانہ داری کے معاملات کی متوالی ہوتی ہے''۔(سیرت مسیح موعود مصنفہ عرفانی کبیر حصہ دوم صفحہ ۲۱۰)

پس مشترکہ خاندانی نظام اپنے اندر فوائد بھی رکھتا ہے اور نقصان بھی۔ گو فوائد زیادہ ہیں۔ مل جُل کر رہنے میں ہی برکت ہے۔ بوڑھوں کی دیکھ بھال اور اُن کی اطاعت کا موقع ملتا ہے۔ ایک دوسرے کی خبر گیری، عیادت کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح بہت سے اسلامی احکامات پر ایک جگہ رہ کر بآسانی عمل ہو سکتا ہے جبکہ یورپ میں جہاں بڑوں کی قدر نہیں ہوتی، بزرگوں کے لئے الگ جگہیں مخصوص کر دی گئیں ہیں۔ جہاں بچے کو باپ کا، باپ کو بچے کا علم نہیں ہوتا لیکن ہمارے معاشرہ میں شادی کا بندھن محض دو افراد کا بندھن نہیں بلکہ دو گھرانوں کا ملاپ بھی ہے۔ خوشگوار اور ناخوشگوار اثرات دونوں گھرانوں پر پڑتے ہیں۔ اور عدم توازن کی وجہ سے ہی حالات خراب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے کئی جگہوں پر یہ نظام ٹوٹ

پھوٹ کا شکار رہے۔ اس لئے خاندان کے تمام افراد کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے نجی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ کوئی فرد دوسرے فرد کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائے یا بلاوجہ کسی پر نکتہ چینی نہ کرے۔ میاں بیوی کی 'پرائیویسی' بھی قائم رہنی چاہیئے۔

اگر گھر میں لڑائی جھگڑے زیادہ ہوں تو بڑوں کو چاہئے کہ انا کا مسئلہ بنائے بغیر بہو بیٹے کو علیحدہ کر دیں۔ تا وہ الگ رہ کر اپنے تعلقات بہتر رنگ میں اُستوار رکھ سکیں۔ اور یہ بات مدنظر رہنی چاہئے کہ جھگڑے کی صورت میں اکثر دونوں فریق قصوروار ہوتے ہیں۔ اگر برابر کے نہیں تو کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ لیکن اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے دوسرے فریق پر سارا مدعا ڈالنا درست نہیں۔ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی دیکھی گئی ہے ایک ہاتھ سے نہیں۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ انسان خود تو ایک بدی میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دوسرے میں وہی بدی اُسے بے چین کر رہی ہوتی ہے۔ اور اُس کے متعلق بُرا بھلا سوچا جا رہا ہوتا ہے۔ اگر تقویٰ کو ہر پہلو میں انسان مدنظر رکھے تو ہمارا معاشرہ حسین سے حسین تر ہو سکتا ہے۔ اور اُن قباحتوں سے، اُن برائیوں سے، اُن خامیوں سے، اُن بدیوں سے بچا جا سکتا ہے جو آئے دن زہر کی طرح ہمارے معاشرے کو کھا رہی ہیں۔ یہ تمام بیماریاں اور برائیاں ''لباس التقویٰ'' پہننے سے دور ہو سکتی ہیں۔ ہم اپنے بدن کی بیرونی صفائی کی خاطر' پاکیزگی کی خاطر نہاتے دھوتے، صاف ستھرے بسا اوقات نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ شادی بیاہ کا ہی فنکشن لیں۔ دُلہن کو خوبصورت غرارہ، لہنگا وغیرہ پہنایا جاتا ہے جس سے اسکی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے مگر یہ خوبصورتی تو عارضی ہے۔ اصل اور دائمی خوبصورتی تو اندرونی صفائی سے ہے جو ''لباس التقویٰ'' سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم میں سے ہر ایک ''لباس التقویٰ'' سے مزّین ہو جائے تو ہم اپنے فرائض کو سمجھنے والے اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے والے بن جائیں گے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے جلسہ سالانہ لندن ۱۹۹۰ء کے موقع پر مستورات سے خطاب کے درمیان اس مضمون کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی:

''آج کے اس دور میں دنیا کو امن کی تلاش ہے اور امن کی تلاش میں دنیا سرگرداں ہر

اس امکانی گوشے پر نگاہ رکھ رہی ہے جہاں سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں امن کے حصول کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ امن کے قریب ہونے کی بجائے دن بدن امن سے دور ہٹتے چلے جا رہے ہیں۔ امن کی تلاش میں وہ گلیوں میں بھی نکلتے ہیں، شہروں اور ملکوں میں بھی سرگرداں پھرتے ہیں۔ لیکن وہ امن جو گھر میں نصیب ہو سکتا ہے وہ دن بدن ان گھروں کو ویران چھوڑتا چلا جا رہا ہے جیسے پرندہ گھونسلے کو چھوڑ کر اُڑ جائے اس طرح امن گھروں کو چھوڑ کر رخصت ہوتا جا رہا ہے۔ آج کے معاشرہ میں دنیا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اس کی سب سے اہم ضرورت گھروں کی تعمیر نو ہے۔۔۔۔ **گھر اس لئے ٹوٹتے ہیں کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے اور انفرادیت نمو پا رہی ہے**۔۔۔۔ دنیا کی لذتوں کی راہ میں یہ انفرادیت اس طرح رشتوں کی تعمیر میں حائل ہو جاتی ہے کہ اگر ایک شخص مغرب میں شادی کرتا ہے تو وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ بیوی کی ماں یا پھر بیوی یہ پسند نہیں کرتی کہ خاوند کی ماں ان کے گھر پر کسی قسم کا بھی بوجھ بنے۔ اس سے ان کی آزادی میں ان کی لذت یابی میں فرق پڑتا ہے۔۔۔ کیونکہ ہر شخص کی ضرورتیں پوری نہیں ہو رہیں۔۔۔ مغربی معاشرہ جتنا امیر ہوتا چلا جا رہا ہے اتنا ہی زیادہ ان کی طلب بڑھ رہی ہے اور "هَلْ مِنْ مَزِيْد" کی آواز اٹھ رہی ہے۔ جو کچھ بھی لذت یابی کے سامان ان کو مہیا ہوتے چلے جا رہے ہیں ان کی عادت پڑ جاتی ہے اور وہ بنیادی حق بن جاتا ہے اور پھر اس سے آگے مزید کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں کے ٹیلی ویژن، یہاں کے ریڈیو، یہاں کے ذرائع ابلاغ اس شکل میں ایک فرضی جنت کو ان کے سامنے رکھتے ہیں جو دور سے جنت ہی دکھائی دیتی ہے اور ہر انسان اس کی طرف دوڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن عموماً وہ جنت نہیں ہے۔ وہ سمندر کے پانی کی طرح ایک جنت ہے جو پیاس بجھانے کی بجائے اسے بھڑکاتی چلی جا رہی ہے۔ **حقیقی جنت تو گھر کی تعمیر ہے۔ جنت رحمی رشتوں کو مضبوط کرنے میں ہے۔۔۔۔ میاں بیوی کے تعلقات کو تقویت دی جائے۔ ماں بیٹے کے تعلقات کو تقویت دی جائے، باپ بیٹے کے تعلقات کو**

تقویت دی جائے اور رشتہ داروں کے دیگر تعلقات کو جو سب قرآن کریم کی آیت میں شامل ہیں تقویت دی جائے۔۔۔اس پہلو سے اگر گھروں کی تعمیر کی جائے تو گھر کے اندر ہی انسان کو ایسی لذت نصیب ہوتی ہے کہ بہت سے ایسے بچے جو ایسے خوش نصیب گھروں میں پلتے ہیں ان کو قطعاً ایسا کوئی شوق نہیں ہوتا کہ سکول سے آکر یا کام سے آکر دوبارہ جلدی سے باہر نکلیں یا کلبوں کا رُخ اختیار کریں یا دوسری گندی سوسائٹیاں جو آج کل انسان کو وقتی طور پر لذت دینے کے لئے بنائی جاتی ہیں ان میں جا کر اپنا وقت ضائع کریں۔یہی وہ مخلوط معاشرہ ہے جو دراصل بعد میں شراب کو تقویت دیتا ہے، جوئے کو تقویت دیتا ہے، ہر قسم کی برائیاں اس معاشرہ میں پنپتی ہیں اور نتیجتاً گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔۔۔گھروں کا بنانے والا صرف ایک ہے اور وہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے فرمایا: ''خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ'' تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے ساتھ تم سب سے بہتر ہوں۔۔۔آج کی دنیا میں امن کی ضمانت ناممکن ہے جب تک گھروں کے سکون اور گھروں کے اطمینان اور گھروں کے اندرونی امن کی ضمانت نہ دی جائے۔''

(الفضل انٹر نیشنل ۱۱/جون ۲۰۰۴ء)

باہر کا دھن آتا جاتا اصل خزانہ گھر میں ہے
ہر دھوپ میں جو مجھے سایہ دے وہ سچا سایہ گھر میں ہے

مری عمر کے اک اک لمحے کو میں نے قید کیا ہے لفظوں میں
جو ہارا ہوں یا جیتا ہوں وہ سب سرمایا گھر میں ہے

کیا سوانگ بھی روٹی کے لیے عزت کے لیے شہرت کے لئے
سنو! شام ہوئی اب گھر کو چلو کوئی شخص اکیلا گھر میں ہے

اک ہجر زدہ بابل پیاری ترے جاگتے بچوں سے ہاری
اے شاعر کس دنیا میں ہے تو، تیری تنہا دنیا گھر میں ہے

دنیا میں کھپائے سال کئی آخر میں کھلا احوال یہی
وہ گھر کا ہو یا باہر کا، ہر دُکھ کا مداوا گھر میں ہے

(عبید اللہ علیم)

☆☆☆☆☆☆☆

باب دوم

رشتہ داریاں اور آپس کے باہمی تعلقات

معاشرے کی بنیاد محبت، امن اور سکون پر ہے اور یہ تینوں چیزیں مِل جُل کر رہنے میں بآسانی میسر ہیں کیونکہ انسان دوسرے کے دُکھ سُکھ اور خوشی وغمی میں یکساں طور پر شریک ہوتا ہے۔

ذیلی عناوین

☆ تربیت کے انداز

☆ لڑکیوں کی تعظیم

☆ بزرگوں کا احترام

☆ والدین کی خدمت

☆ ماں کا رُتبہ

☆ باپ سے حُسنِ سلوک

☆ ساس سُسر کا احترام

☆ والدین اور تین کا ہندسہ

☆ ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

☆ رحمی رشتہ داروں سے تعلق

☆ بہن بھائی سے تعلق

☆ چچا کا مقام

☆ خالہ ماں کی طرح ہے

☆ والدین کی وفات کے بعد اُن کے عزیزوں سے حسنِ سلوک

مشترکہ خاندانی نظام میں جہاں ایک تعلق بچوں کا اپنے بزرگوں بالخصوص والدین سے ہے اوران کی اطاعت ان پر لازم ہے، اِسی طرح ایک تعلق بزرگوں کا بچوں سے بھی ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ نرمی، رأفت اور محبت کا سلوک روا رکھیں۔ اُن کی طرف پیار کی نگاہ رکھیں۔ اُن کی تربیت میں شفقت کا پہلو مدنظر رہے تا مشترکہ خاندانی نظام بغیر کسی خلل واقع ہونے کے چلتا رہے۔ اس سلسلہ میں بزرگوں بالخصوص والدین کو آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد حرز جان بنانا چاہیے جس میں آپؐ نے فرمایا:

اَکْرِمُوْا اَوْلَادَ کُمْ وَ اَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ (ابن ماجه)

کہ اپنی اولاد کی عزت کرو اور اُن کی بہترین تربیت کرو۔

بات بات پر بچے کو ڈانٹنا، بُرا بھلا کہنا بچے کو ضدی بنا دیتا ہے۔ معاشرے میں بچوں کو مقام دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُن کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اُن کے اچھے کاموں پر اُنہیں داد دی جائے اور غلط کاموں سے حکمت عملی کے ساتھ وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اور اپنے عملی نمونہ سے اُنہیں روکا جائے اور انہیں بے راہ روی سے دور رکھا جائے۔ کیونکہ اولاد جہاں انسان کے لئے راحت و آرام کا موجب ہوتی ہے وہاں بعض لوگ ناجائز پیار، طرف داری یا عدم تربیت کی وجہ سے اولاد کے ہاتھوں تکلیف پا رہے ہیں۔ اولاد اگر نافرمان نکل آئے تو انسان جیتے جی مر جاتا ہے۔

چونکہ مشترکہ خاندانی نظام میں بچہ ماں باپ کے علاوہ بہت سے عزیز و اقارب کے ہاتھوں میں پل رہا ہوتا ہے۔ بچے کی پیاری پیاری ادائیں ہر ایک کے دل کو لبھاتی ہیں اور گھر میں موجود ہر فرد کی پیار بھری نظر بچے پر پڑ رہی ہوتی ہے۔ اس لئے والدین اور بزرگوں کو تربیت کے انداز اپناتے ہوئے اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ مدنظر رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ وہ وقت ہے جب نرم و نازک کونپل کا رُخ جس طرف چاہیں موڑ لیں۔ ان کی مثال تو کھیت سے بھی دی جاسکتی ہے

جس کوتر وتازہ رکھنے کے لئے اور اُس سے اچھی فصل اور اچھا پھل لینے کے لئے مناسب پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مقدار سے کم پانی تو فصل کو تباہ کر ہی دیتا ہے۔ ذرا سا زیادہ پانی بھی فصل کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے تمام افراد خانہ کو تربیتِ بچگان میں میانہ روی کے اصول کو اپنانا ہے اور نرمی اور سختی کے توازن کو برقرار رکھنا ہے۔ نہ زیادہ نرمی اور نہ ہی زیادہ سختی کرنی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے بزرگوں کا نمونہ اور ان کے اقوال ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ خود ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تربیت کس قدر دلکش اور پیارا تھا جو اس واقعہ سے عیاں ہے۔ حضرت عمرو بن ابی سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ابھی چھوٹا بچہ تھا اور حضورؐ کی گود میں بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ کھانے کو آیا۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کھانے کی پلیٹ میں اپنا ہاتھ ادھر اُدھر پھیرنے لگا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے پیار سے مجھ سے فرمایا:

یَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ. (بخاری کتاب الاطعمہ)

کہ اے بچے! اللہ کا نام لے کر اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ۔

یہ واقعہ مشترکہ خاندانی نظام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ امت کا ایک بچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھا ہے اپنا حقیقی بچہ بھی نہیں مگر آپؐ کس قدر پیار اور محبت سے اُمت کے اس بچے کی تربیت کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جن کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں اپنے دو پھول یا ان کی خوشبو قرار دیا ہے۔ بخاری کتاب الادب) کی آبیاری بھی آپؐ نے بہت پیار بھرے انداز میں کی اور تربیت کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ایک دفعہ حضرت حسنؓ نے صدقہ کی کھجور مُنہ میں ڈال لی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے مُنہ میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکال دی اور فرمایا:

''آلِ سید پر صدقہ جائز نہیں''۔ (بخاری کتاب الزکوۃ)

آج کے دور میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تربیت اولاد کے وہی پیارے انداز اپنائے جو آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے بطور ورثہ کے

چھوڑے ہیں۔ایک دفعہ ایک بچہ باہر سے گالی سُن کر آیا کہ ''سؤر کا بچہ گوہ کھانا'' اُس نے یہی الفاظ جب گھر میں دُہرائے تو حضورؑ نے اُسے بلا کر فرمایا کہ بیٹا ایسا نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں ''باپ کا بچہ گڑ کھانا۔'' (شمائل احمد صفحہ ۹۰)

مکرم سید فضل شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی) ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کے کمرے میں کھیلتے کھیلتے آ گئے۔فوراً ان کی نظر کمرے میں پڑے باداموں پر پڑی۔آپ نے ان تمام باداموں کو لینا چاہا۔حضرت مسیح موعودؑ نے بڑے ہی دھیمے اور نرم لہجہ میں صاحبزادہ محمود کو مخاطب ہو کر فرمایا ''میرا بیٹا ایک دو لےگا سارے نہیں''۔اس پر صاحبزادہ محمود نے تمام بادام رکھ دیئے اور ایک دو لے کر باہر نکل گئے۔

اب دیکھیں تربیت کا کتنا پیارا انداز تھا۔بعض مائیں بچوں کو پڑھ، پڑھ اور پڑھ کی رَٹ لگائے رکھتی ہیں۔خاوند گھر آ جائے تو نہ پڑھنے پر بچے کو کوستی ہیں۔دیگر کاموں کے بارہ میں شکایات کا انبار لگا کر رکھ دیتی ہیں۔حالانکہ بچوں کو کسی کام سے روکنے کے لئے پیار و محبت اور حکمت عملی سے کام لینا چاہئے۔اچھی باتوں کی ترغیب دے کر روکا جا سکتا ہے۔مثلاً بیٹا یہ کام کرو اس پر اللہ خوش ہوتا ہے، بیٹا یہ کام کرو یہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا۔اور یوں بچے میں ان کاموں کو کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''ہدایت اور تربیت حقیقی خدا کا فعل ہے۔سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گزار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہئے۔ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔بس اس سے زیادہ نہیں اور پھر اپنا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا وقت پر سرسبز ہو جائے گا۔''

(مُلفوظات جلد اول صفحہ ۳۰۹ جدید ایڈیشن)

قادیان میں جب کسی نے اپنے بچے کو عادتاً مارا اور اسکی اطلاع حضرت مسیح موعودؑ کو ہوئی تو آپؑ نے اُسے بُلا کر فرمایا:

''میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۰۸ جدید ایڈیشن)

آپؑ نے مدرسہ تعلیم الاسلام کے اساتذہ کو یہ تاکیدی پیغام بجھوا رکھا تھا کہ ہمارے مدرسہ میں جو استاد مارنے کی عادت رکھتا اور اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہوا سے یکلخت موقوف کر دو۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۰۹ جدید ایڈیشن)

لیکن موقع و محل کے مطابق آپؑ سرزنش بھی فرمادیا کرتے تھے۔ اور بچوں سے محبت، اُن کی تربیت کی راہ میں حائل نہ ہوتی۔

حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) بچوں کی تربیت میں میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بچہ سے زیادہ پیار بھی نہیں کرنا چاہئے۔ زیادہ چومنے چاٹنے کی عادت سے بہت سی برائیاں بچہ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس مجلس میں وہ جاتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ پیار کریں۔ اس سے اس میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔''

(منہاج الطالبین از انوار العلوم جلد نہم صفحہ ۲۰۴)

لڑکیوں کی تعظیم:

مشترکہ خاندانی نظام میں اسلامی تعلیم کا ایک پہلو جس کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے وہ لڑکیوں کی تعظیم ہے۔ جو صنف نازک ہے۔ اس زُمرہ میں ماں۔ ساس۔ بیوی۔ بہو۔ بہن۔ نند۔ بھابھی وغیرہ سبھی آجاتے ہیں۔ ان کی عزت و تکریم کے بارے اسلامی تعلیم تو دوسری جگہ پر بیان ہو رہی ہے۔ اس جگہ مجھے صرف اپنی بچیوں / لڑکیوں سے محبت اور ان کی عزت و تکریم

بارے کچھ تحریر کرنا ہے۔

لڑکا اور لڑکی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور اسکی نعمتیں ہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہیں۔دونوں میں فرق کرنے اور لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دینے کی ہمارا اسلامی معاشرہ اجازت نہیں دیتا۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تو بچی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔اس کے کوئی حقوق نہ تھے۔بعض جگہوں پر تو پیدائش کے ساتھ ہی زندہ درگور کر دی جاتیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بدرسم کا ذکر سورۃ نحل آیت ۶۰ میں کیا ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۚ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۚ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

یعنی وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس (خبر) کی تکلیف کی وجہ سے جس کی بشارت اُسے دی گئی ہے۔کیا وہ رسوائی کے باوجود (اللہ کے) اُس (احسان) کو روک رکھے یا اُسے مٹی میں گاڑ دے؟ خبردار بہت ہی بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

اسلام کے ظہور کے ساتھ اس بدرسم کو ختم کر دیا گیا اور لڑکی کو معاشرہ میں ایک مقام ملا۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی شرائط میں اس شرط کو شامل کر دیا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے اور آپؐ نے اس کی عظمت و توقیر اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اِنَّ النِّسَآءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ (ترمذی)

کہ عورتیں مردوں کا ہی حصہ ہیں۔

بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک خوشخبری سُنا دی کہ جس کے ہاں تین بچیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی پرورش کا حق کماحقہٗ ادا کرے تو وہ جنتی ہے اور اس کے ساتھ میرا تعلق یوں ہے جیسے یہ دو انگلیاں (ہاتھ سے آپؐ نے ملا کر دکھائیں) ملی ہوئی ہیں۔

(ابن ماجہ)

صحابہؓ نے جب یہ بات سُنی تو وہ جن کی تین لڑکیاں تھیں وہ اس خوشی سے بے تاب

ہوگئے کہ وہ ان کی اچھی تربیت کرکے جنت کے حقدار بن جائیں گے مگر وہ جن کی تین لڑکیاں نہیں تھیں بلکہ دو تھیں ان کے چہروں پر افسردگی چھا گئی اور انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! اگر کسی کی دو لڑکیاں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا۔ اگر کسی کی دو لڑکیاں ہوں اور وہ بھی ان کی اچھی تربیت کرے تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت واجب ہوگی۔

جب آپؐ نے یہ بات بیان فرمائی تو وہ جن کی صرف ایک لڑکی تھی وہ افسردہ اور مغموم ہوگئے اور انھوں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ! اگر کسی کی دو لڑکیاں نہ ہوں بلکہ صرف ایک ہو تو وہ کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا اگر کسی کی ایک ہی لڑکی ہو اور وہ اسے اچھی تعلیم دے اور اس کی اچھی تربیت کرے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت واجب ہونے کی خوشخبری دیتا ہوں۔

ایک موقعہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے ہاں ایک لڑکی ہو وہ اسے زندہ رکھے۔ اس کے اکرام میں کمی نہ آنے دے اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو خدا تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (ابو داؤد کتاب الادب)

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ نے عرب کی اس تکلیف دہ بدرسم کا ذکر شعر میں یوں فرمایا ہے:

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دُنیا میں تو آتی تھی

اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد عورت کو جو مقام ملا اُس کا ذکر اس شعر میں فرماتی ہیں:

وہ رحمت عالمؐ آتا ہے تیرا حامی ہو جاتا ہے
تو بھی انسان کہلاتی ہے سب حق تیرے دلواتا ہے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بچیوں سے پیار و محبت کا سلوک روا رکھ کر دوسروں کے لئے عملی نمونہ چھوڑا۔ آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو اپنا ''جگر گوشہ'' قرار دیا اور فرمایا ''جس نے اسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا''۔ (بخاری کتاب المناقب)

آپؐ کو حضرت فاطمہؓ سے اس قدر پیار تھا کہ سفر پر جاتے ہوئے مدینہ چھوڑتے وقت سب سے آخر پر حضرت فاطمہؓ کے گھر ملنے جاتے اور مدینہ میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر جا کر انھیں ملتے۔

آپؐ کی نواسی حضرت امامہ بنت زینبؓ نماز کے دوران آپؐ کے کندھوں پر چڑھ جاتی۔ آپؐ رکوع وسجدے میں اُسے نیچے اتار دیتے اور پھر کھڑے ہوتے وقت اُسے اُٹھا لیتے۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ)

ہمیں لازم ہے کہ ہم ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اپنے معاشرہ میں لڑکوں اور لڑکیوں سے برابری کا سلوک کریں۔ ہمارے معاشرے میں آج بھی بدقسمتی سے بعض مقامات پر لڑکی کے حقوق سلب کئے جاتے ہیں۔ جائیداد کی تقسیم میں ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن و احادیث نے اُن کے حصے مقرر کر چھوڑے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے متعدد بار لڑکیوں کے حقوق بالخصوص جائیدادوں میں اُنہیں حصہ دینے کے بارہ میں تلقین فرمائی۔ اور خود اپنی بچیوں سے پیار و محبت کو انتہا تک پہنچا کر ہمارے لئے نمونہ بنے۔ آپ اپنی بچیوں سے اکٹھا کھیلتے، بھاگ کر ایک دوسرے کو پکڑتے، آنکھیں موند لیتے، کہانیاں سناتے۔ غرض بچیوں سے بہت پیار کرتے۔ محترمہ صاحبزادی فائزہ لقمان صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ:

''جب میری بہن مونا کی پیدائش متوقع تھی تو ظاہر ہے چونکہ ہمارا بھائی نہیں تھا اس لئے ابا کو فطری خواہش تھی کہ بیٹا ہو۔ ہمیشہ مجھے نماز کے لئے اٹھاتے۔ کہتے تھے بھائی کے لئے دعا کرنا۔ لیکن جب مونا پیدا ہوئی تو ابا نے بے حد خوشی کا اظہار کیا اور امی کو کہا تم کیوں اُداس ہو۔ میں تو اپنی بیٹی کی پیدائش پر بہت خوش ہوں۔ یہ بھی فرمایا اس کے عقیقہ کے دو بکرے ذبح کروں گا تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بیٹی پیدا ہونے پر مجھے ایسی خوشی نہیں ہوئی جیسی بیٹا پیدا ہونے پر ہوتی''۔

(ماہنامہ مصباح، دسمبر 2003ء، سیدنا طاہر نمبر)

چونکہ عورت ہماری نسل کی بڑھوتی کا مؤجب ہوتی ہے۔ اس لئے معاشرہ میں اس کو

جائز مقام دینا ضروری ہے۔ گھروں میں بچیوں کی اعلیٰ معیار پر تربیت کرنا ضروری ہے تا ان کی گودوں میں اسلام اور احمدیت کے حقیقی معمار اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی شیدائی پروان چڑھیں۔

حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

''جو شخص تین لڑکیوں کی اچھی تربیت کرتا ہے وہ صرف تین کی ہی تربیت نہیں کرتا بلکہ ہزاروں لاکھوں اسلام کے خادم پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لڑکیاں اچھے لڑکے پیدا کرنے کا موجب بنیں گی اور وہ لڑکے اسلام کے لئے اچھے قربانی کرنے والے ثابت ہونگے''۔

(مشعل راہ جلد اول، جدید ایڈیشن صفحہ ۸۴)

بزرگوں کا احترام:

بزرگوں کا احترام اور ان کی دیکھ بھال آج کل ایک بہت بڑا عالمی چیلنج ہے۔ مغربی معاشرہ میں، جو آہستہ آہستہ ہمارے معاشرہ میں سرایت ہوتا جا رہا ہے، عمومی طور پر بزرگوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ عمر کے اس حصہ میں انہیں معاشی، جذباتی، طبی، اخلاقی اور محبت کی سپورٹ (Support) کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں ڈھارس بندھانی بہت ضروری ہے۔ مغربی دُنیا میں تو حکومتی سطح پر، مختلف سوشل اداروں کی جانب سے اور مختلف NGOs کے تحت عمر رسیدہ افراد کی دیکھ بھال، ان کی دلجوئی کی خاطر اولڈ ایج ہومز، ڈے کیئر سنٹرز، موبائل میڈیکل یونٹس اور دوسرے کئی پروگرامز جاری ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف امریکہ میں 90% بوڑھے الگ تھلگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور یوں نوجوان نسل اپنے ان بوڑھوں کی خدمت اور ان کی دُعاؤں سے محروم ہے۔ جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلْبَرَکَۃُ مَعَ اَکَابِرِکُمْ (الترغیب والترہیب)

کہ برکت تمہارے بزرگوں کے ساتھ ہے۔

گھر میں بوڑھے افراد کی موجودگی اپنی ذات میں برکت کا مُوجب ہوتی ہے۔ وہ تنہا بیٹھے اپنے لئے تو دُعا کر ہی رہے ہوتے ہیں۔ خاموش زیرلب تمام افرادِ خانہ کے لئے اور ان کے خوشحال رہنے کے لئے دُعاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔ جب کبھی بھی ہم میں سے کسی کا اُن کے سامنے سے گزر ہوتا ہے تو فوراً ہماری خدمت ذہن میں لاکر کوئی نہ کوئی دُعا دے دیتے ہیں۔ اور ان دُعاؤں کے سہارے خداتعالیٰ کے افضال اور اُس کی رحمتیں ہمارے افرادِ خانہ پر نازل ہوتی رہتی ہیں اور یہی سب سے بڑی برکت جوائنٹ فیملی سسٹم کی ہے۔ جو ہمیں مغربی معاشرہ میں نظر نہیں آتی۔

اور دوسرا بڑا فائدہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں جو نظر آتا ہے وہ اہم معاملات میں بزرگوں کا مشورہ ہے۔ جو ان کے ایک لمبے تجربہ کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یوں ہم کسی معاملہ کے ممکنہ نقصانات اور اس کے خدشات سے بچ سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے معاشرہ کی گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ پورے معاشرہ میں ہی مشترکہ خاندانی نظام کی بُنیادیں تھیں۔ تمام رشتہ دار اور افراد آپس میں مل جُل کر ایک ہی گھر میں رہتے تھے اور اس طرح ساتھ رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دُکھ درد اور خوشی میں بھی یکساں طور پر شریک ہوتے تھے اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان میں آپس میں محبت اور اُلفت کے جذبات بھی ایک دوسرے کے لئے موجود تھے، ان کے درمیان باہمی ہم آہنگی تھی، لیکن اب ان جذبات کا فقدان بھی اسی وجہ سے نظر آتا ہے کہ علیحدہ گھر میں رہنے کا سسٹم زور پکڑ گیا ہے۔ پہلے گھر میں بچوں یا جوانوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو گھر کے بڑے بوڑھے سربراہ اس مسئلے کو حل کر دیتے تھے اور بڑوں کا کیا ہوا فیصلہ سب فریقین کے لئے قابل قبول ہوتا تھا اور خاندان میں خوشگوار فضا بھی قائم ہو جاتی تھی۔ اور گھر کا انتظام وانصرام ایک فرد کے ہاتھ میں رہنے کی وجہ سے تمام اہل خانہ کو ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے کے مواقع زیادہ میسر آتے تھے۔ لیکن زمانے نے کروٹ بدلی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشترکہ خاندانی

نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے لگا۔ مشترکہ خاندانی نظام کمزور پڑنے سے معاشرے کی اقدار اور روایات بھی تبدیل ہونا شروع ہوئیں۔ معاشرے میں خوش اخلاقی، رکھ رکھاؤ، ہمسایوں سے نیک سلوک جیسے رویوں میں کمی واقع ہوتی گئی اور اب حالت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فیصلے میں خودمختار نظر آتا ہے۔ بچے بزرگوں کے فیصلوں کو غلط سمجھتے ہیں اور نوجوان نسل عام طور پر کہتی ہے کہ زندگی ہماری ہے ہم جیسے چاہیں اپنی زندگی سے متعلق فیصلے کریں اور اکثر اوقات یہ نوجوان نسل اپنی ناتجربہ کاری کی بناء پر ان فیصلوں سے نقصان بھی اُٹھاتی ہے۔ کیونکہ بزرگوں کے کئے ہوئے فیصلوں کی بُنیاد تجربہ پر ہوتی ہے۔

ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی جگہ بارات جانی تھی۔ لڑکی والوں نے شرط عائد کردی کہ باراتیوں میں کوئی بوڑھا نہ آئے۔ ساری بارات نوجوانوں پر مشتمل ہو۔ لڑکے والے بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایک بزرگ کو ضرور ساتھ لے کر جائیں گے اور اسے گاؤں سے کچھ فاصلہ پر بٹھا دیں گے۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ جب چند نوجوانوں پر مشتمل بارات گاؤں میں داخل ہوئی تو لڑکی کے والد نے ایک اور شرط یہ عائد کردی کہ میں نے آپ کی تواضع کے لئے ۱۰۰ بکروں کا انتظام کر رکھا ہے۔ اگر آپ یہ تمام کھالیں تو پھر دُلہن کو دُولہا کے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا۔ اُن تمام نوجوانوں نے اپنے جسموں کی طرف دیکھا اور تعداد پر بھی غور کیا جو بہت معمولی تھی تو بہت پریشان ہوئے کہ اتنی دور سے ہم اُن کی شرط کے مطابق لڑکی لینے صرف نوجوان آئے ہیں اور لڑکی والوں نے ہمیں ایک اور بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے مشورہ کے لئے وقت مانگا اور آئے اُسی بوڑھے بزرگ کے پاس جسے گاؤں کے قریب چھوڑ آئے تھے۔ اس نے ساری بات سُن کر نوجوانوں کو تسلی دی اور کہا کہ گھبراتے کیوں ہو۔ ہم لڑکی لے کر جائیں گے۔ تم انہیں کہو کہ آپ کی شرط ہمیں منظور ہے۔ ہاں آپ ایک ایک کر کے بکرا ذبح کریں اس کا گوشت بنائیں اور اسے پکائیں اور جب ہم ایک کو کھالیں تو دوسرا بکرا ذبح کیا جائے اور گوشت بنا کر پکایا جائے اور پھر ہم اُسے کھالیں تو پھر تیسرا۔ اس طرح ۱۰۰ بکروں کو باری

باری ذبح کریں، گوشت تیار کریں، پکائیں اور ہم کھاتے جائیں گے۔ اور بزرگ نے نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ گوشت تیار ہونے اور پکنے کے دوران آپ نوجوان اچھلیں کودیں اور کھیلیں۔ آپ دیہاتی لوگ ہیں جلد ہضم ہوتا جائے گا۔

بوڑھے بزرگ سے مشورہ لینے کے بعد جب یہ نوجوان واپس لوٹے اور لڑکی والوں کو اپنی شرط سے آگاہ کیا تو لڑکی والے فوراً بولے کہ آپ کے ساتھ ضرور کوئی بزرگ ہے جس نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے۔ یہ قصہ کئی اور رنگ میں بھی بیان کیا جاتا ہے مثلاً لڑکی والوں نے یہ شرط عائد کی تھی کہ کنویں سے چھاننی کے ذریعہ بالٹی بھر پانی نکال دیں تا لڑکی کو نہلایا جا سکے۔ یہ شرط بھی بہت کڑی تھی مگر بارات کے ساتھ آئے ہوئے بزرگ نے اسے بھی مان لیا اور کہا کہ انہوں نے چھاننی کے میٹریل کا ذکر تو نہیں کیا۔ ہاں اگر وہ کنویں کی ریت سے چھاننی تیار کر دیں تو ہم اس سے پانی نکال لینے کو تیار ہیں۔ یہ قصہ خواہ کسی رنگ میں بھی بیان ہوا ہو مگر یہ مسلّم شدہ حقیقت ہے کہ بزرگوں کا مشورہ اپنے تجربہ کی بنیاد پر بہت مفید ہوتا ہے۔

وہ نوجوان بچے یا بچیاں جو معمولی باتوں پر والدین سے، بزرگوں سے ناراض ہو کر اپنا الگ گھر بسا لیتے ہیں، ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں، حسنِ سلوک کرنے کی بجائے بدسلوکی سے پیش آتے ہیں، ان کی معمولی سی غفلت پر اُنہیں ڈانٹتے ہیں، وہ درج ذیل فرمانِ رسولؐ پر کماحقہٗ عمل پیرا نہیں ہو سکتے:

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔ (ترمذی)

کہ جس نے ہمارے معاشرے میں کسی چھوٹے پر رحم نہ کیا اور بڑے کا احترام نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

اور یہ ارشادِ خداوندی بھی ان کے سامنے رہنا چاہئے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (النساء:۶۰)

گھر کا سربراہ اور حاکم جو والد یا بزرگ ہوتا ہے وہ بھی اولی الامر ہے۔ جس کی

اطاعت وفرمانبرداری ضروری ہے۔

انسان نے تو ابتداء ہی سے مل جل کر زندگی گزارنے کی طرف توجہ دی تا کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں اور ان ضروریات کی تکمیل ہمیں مشترکہ خاندانی نظام میں ہی نظر آتی ہے۔انسان ابتداء ہی سے مشترکہ خاندانی نظام کے تصور میں جڑا ہوا نظر آیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس رشتے کو مضبوط کرتا چلا گیا۔لیکن آج کے دور میں یہ خاندانی نظام وقتی ضرورت کے پیش نظر کمزور ہوتا گیا۔ بیٹے اپنے باپ کے ساتھ نہیں رہ سکتے اور پھر ایک ہی باپ کے بیٹے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہتے۔حالانکہ وہ سماجی اور معاشی نظام میں جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے مقدس بندھن کو محض چھوٹے چھوٹے اختلافات کی بنا پر توڑ دیا ہے۔اس کی بنیادی وجہ،اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لئے اور مغربی طرز زندگی میں گم ہوکر اپنے پیاروں سے رشتہ توڑنا معاشرے میں عام سی بات تصور کی جانے لگی ہے۔ بیٹا باپ سے الگ ہوکر، بھائی بھائی سے اُلگ ہوکر ایک چھوٹے گھر کی بنیاد ڈالتے ہیں جس میں صرف میاں بیوی اور بچوں کا تصور ہے اور بوڑھے والدین کو الگ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ بسا اوقات اپنے بزرگوں کو ایسی جگہ بھیجنے کا فیصلہ کرتے ہیں جہاں پر ان کی تیمارداری کرنے والا، ان کی باتیں سُننے والا کوئی نہیں ہوتا۔اور وہ اپنے حسین خوابوں کو اپنے دل میں دفن کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔وہ اس احساس کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں کہ ان کی ولدیت لکھنے والا ابھی اس دُنیا میں کوئی موجود ہے۔ معاشرے کی بنیاد محبت، امن اور سکون پر ہے اور یہ تینوں چیزیں انسان کو مشترکہ خاندانی نظام میں مل سکتی ہیں۔اور انسان نے ان چیزوں کی تلاش کے لئے مفادات بنانا شروع کر دیئے۔ایسے مفادات جو بے بُنیاد ہیں۔ایسا نظام جس میں ایک فرد دیگر افراد میں نظم وضبط پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرے، دوسروں کو سُپر وائز کرے، یہی مشترکہ خاندانی نظام ہماری روایات واقدار میں سے ایک ہے جو لوگوں کے درمیان انسانیت کے رشتے کو مضبوط کرتا ہے۔انسان کو انسان کے قریب رکھتا ہے۔لوگوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرتا ہے۔زندگی میں درپیش فیصلوں کو حل

کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مغربی معاشرہ نے قریباً ۲۰۰ سال قبل اس مشترکہ خاندانی نظام کو خیر باد کہا اور interim period کی بنیاد پر انہوں نے یہ نیا نظام متعارف کروایا۔ اب نئی نسل اس نئے نظام میں اس قدر رچ بس گئی ہے کہ پرانا نظام ایک خواب نظر آتا ہے۔ گو اب بعض جگہوں پر حکومتی سطح پر اور بعض مقامات پر بعض اداروں اور سوسائٹیوں کی طرف سے اِسے واپس لانے کی کوششوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ جاپان میں بالخصوص مشترکہ خاندانی نظام کو بطور مہم واپس لانے کی کوشش ہو رہی ہے جسے حکومتی سرپرستی حاصل ہے۔ میرے ایک غیراز جماعت دوست جناب محمد اسلم صاحب نے، جو اسلامی سکالر بھی ہیں اور اسلام آباد سے انٹرنیشنل ''لبرٹی'' میگزین بھی انگریزی میں نکالتے ہیں، ایک دفعہ بتلایا کہ مجھے کچھ عرصہ قبل جاپان جانے کا اتفاق ہوا جہاں میں ایک سکول ٹیچر کے ہاں ٹھہرا۔ جس کو بدقسمتی سے خاوند بھی چھوڑ چکا تھا اور بچے بھی الگ تھلگ ہو چکے تھے اور وہ کتے بلی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی۔ اس نے اپنی ساری زندگی کا نچوڑ ان الفاظ میں میرے سامنے بیان کیا کہ مشترکہ خاندانی نظام اچھا تھا جسے ہم الوداع کہہ چکے ہیں اور مادر پدر آزاد بچے اس کو واپس نہیں لانے دیتے۔ ہم نے ان بچوں کو ۱۶، ۱۷ سال کی عمر میں گھروں کی چابیاں دے کر اور انہیں آزاد کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔

یورپ میں تو اب اس نظام کو واپس لانے کی وکالت ہو رہی ہے اور ہمارے ہاں الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور NGOs کے ذریعہ ایک خاص منصوبہ کے تحت آزادی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ آزادی کے مفہوم کو misinterpret کیا جا رہا ہے۔ آزادی کے نام پر خرافات کو پھیلایا جا رہا ہے۔ بلکہ ڈراموں میں نئے شادی شدہ جوڑے کو الگ رہنے کے لئے پُرکشش ماحول مہیا کیا جا رہا ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کے خلاف نوجوان نسل کو inject کیا جا رہا ہے۔ اسے توڑا جا رہا ہے۔ اسے کمزور کیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل الگ رہنا پسند کرتی ہے۔ اپنے فیصلے خود کرنے میں اپنی خیر اور بقا تصور کرتی ہے۔ بزرگوں جیسی چھتری کی گھنی چھاؤں سے نئی نسل دور بھاگتی نظر آ رہی ہے۔ اگر ہم نے اس پر قابو نہ پایا تو ہمارے معاشرہ

کی اگلی نسل (جنریشن) یورپین ہو جائے گی۔ جبکہ یورپین اس نظام کو واپس لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ بزرگوں کو بھی اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرنا ہے اور گھروں میں معاملہ فہمی کے لئے پیار و محبت کی فضا کو برقرار رکھنا ہے اور نوجوان نسل سے درگزر کے پہلو کو نمایاں طور پر اپنانا ہے تا جو نفرت نوجوانوں کے دلوں میں بزرگوں کے سخت اور درشت رویہ سے پیدا ہو رہی ہے وہ دور ہو سکے۔

خاندان میں بزرگوں میں سب سے پہلے تو والدین آتے ہیں جنہوں نے اس کو جنم دیا، جن وجودوں کے ذریعہ دُنیا میں آیا، جن کی امداد لے کر وہ دُنیا میں رہنے کے قابل ہوا اور جو اُس کے محسن بنے بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ماں باپ وہ ہستی ہیں جنہوں نے شاید اپنی ہستی مٹا کر ہماری پرورش کی۔ اس کے بعد خاندان میں خون اور دودھ کے رشتے جیسے ماموں، ممانی، خالہ، خالو، نانا، نانی، چچا، چچی، تایا، تائی، پھوپھی، پھوپھا اور دادا دادی ہیں۔ پھر بزرگوں میں بڑا بھائی، بھابھی، بڑی بہن، بہنوئی اور سسرال کی طرف سے ساس سسر، جیٹھ، نند، برادر نسبتی، خواہر نسبتی اور سالے سالیاں ہیں۔ پھر معاشرے میں، خاندان میں بسا اوقات کم عمر والا اپنی خداداد علم اور صلاحیت کی بناء پر اعلیٰ عہدے اور رتبہ کی وجہ سے بزرگوں کے زُمرہ میں آجاتا ہے۔ ان تمام سے عزت سے پیش آنا، ان کو ان کا جائز مقام دینا، ان سے نرمی اور تلطّف سے کلام کرنا اسلامی تعلیمات میں داخل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا والدین تین طرح کے ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ جو جنم کا باعث بنے،

۲۔ وہ جس نے تعلیم دی یعنی استاد۔ اور گھر میں ہر بڑا، چھوٹے کا استاد ہوتا ہے جس سے وہ گاہے بگاہے تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہے اس لئے وہ بھی والدین یعنی بزرگوں کے زُمرہ میں آجاتے ہیں،

۳۔ وہ جس نے آپ کو بیٹی دی یعنی سسر ساس وغیرہ۔

والدین کا احترام اور ان سے حسن سلوک:

مشترکہ خاندانی نظام میں بنیادی یونٹ تو ماں باپ ہوتے ہیں۔ان کے آپس میں تعلق اور روابط کا اثر چھوٹوں پر پڑ رہا ہوتا ہے اس لئے ماں باپ کو دیگر افراد خانہ کے لئے بطور رول ماڈل (Role Model) کے ہونا چاہئے۔اس مضمون پر سیر حاصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں موجود ہے۔

اس وقت مجھے بزرگوں میں سے ماں باپ کا مقام بتانا ہے۔ان کی اطاعت، ان سے وفا، ان سے حسن سلوک، اور ان سے عزت واحترام سے پیش آنے کے بارہ میں اسلامی تعلیم کو اُجاگر کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں ان کے بارہ میں احکامات نازل فرمائے اور ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان احکامات کی وضاحت فرمائی بلکہ اپنے عملی نمونہ سے والدین سے عزت واحترام سے پیش آنے کی نصیحت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی بار اپنی توحید کے بعد والدین کی فرماں برداری اور ان سے احسان کی تعلیم دی ہے اور دوسرے مقام پر اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو ملا دیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

i) وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط (بنی اسرائیل : ۲۴)

ii) اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط (لقمٰن : ۱۵)

اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسکے شکر ادا کرنے کے ساتھ والدین سے احسان اور ان کی فرمانبرداری اختیار کرنے کو باندھ دینے میں ایک حکمت یہ ہے کہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کسی وجود کو دُنیا میں لانے کا حکم دیتا ہے تو والدین اس وجود کو دنیا میں لانے کا باعث بنتے ہیں۔وہ وجود ان عظیم ہستیوں کی امداد سے اس دُنیا میں آیا۔ان کے تعاون سے وہ دُنیا میں رہنے کے قابل

ہوا۔اس لحاظ سے وہ محسن ٹھہرے اور ان سے احسان کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اس مضمون کی تائید میں کئی احادیث بھی ملتی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی محفل میں تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے کہ کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہ نہ بتاؤں۔صحابہؓ نے عرض کی۔یا رسول اللہؐ! کیوں نہیں! ضرور بتائیں۔آپؐ نے فرمایا۔اللہ کا شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور پھر آپؐ جوش میں آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔سنو! جھوٹ بولنا بھی بڑے گناہوں میں شامل ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الشہادات)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی وَقْتِھَا کہ نماز وقت پر ادا کرنا۔میں نے عرض کی پھر کون سا؟ فرمایا بِرُّالْوَالِدَیْنِ یعنی والدین سے حسن سلوک کرنا۔میں نے پھر عرض کی کہ پھر کون سا؟ فرمایا اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری کتاب الجہاد)

اب دیکھیں نماز جو محض خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ادا کی جاتی ہے۔مومن کے اس فعل کو افضل قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد والدین سے نیکی اور ان کی خوشنودی کا حصول افضل قرار پایا۔

اسی طرح ایک دفعہ بدقسمت انسان کا ذکر ہو رہا تھا۔آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص بڑا بدقسمت ہے جس کی زندگی میں رمضان آیا اور اس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور وہ گزر گیا مگر اس کے گناہ نہ بخشے گئے اور وہ آدمی بھی بڑا بدقسمت ہے جس نے اپنے والدین کو اپنے پاس بڑھاپے کی حالت میں پایا اور اس نے ان کی کوئی خدمت نہ کی حتیٰ کہ وہ گزر گئے اور خدمت نہ کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسند احمد حدیث نمبر ۷۱۳۹)

مندرجہ بالا حدیث میں رمضان پا کر فائدہ نہ اُٹھانے کی صورت میں اور والدین کو

پاکران کی خدمت نہ کرنے کی صورت میں انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ گار قرار دیا ہے۔ اور والدین کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے معاًبعد بیان فرمایا۔

اس مضمون کو حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) نے یوں بیان فرمایا ہے:

''اس میں دوسرا حکم والدین کے ساتھ سلوک کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ہی تاکیدی ہے اور شرک سے اجتناب کے بعد سب سے زیادہ ضروری حکم یہی ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس وصیت نامہ میں اس حکم کو خاص اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے دلائل بیان کئے اور دوسرے احکام کی نسبت اس کی زیادہ تفصیل بیان کی ہے۔

چونکہ یہ وصیت نامہ حضرت لقمان کا صرف اپنے بیٹے کے لئے تھا اور بیٹا ہی اس وقت مخاطب تھا اس واسطے ممکن ہے کہ حضرت لقمان نے ان حقوق کا ذکر چھوڑ دیا ہو جو خود انہی کے متعلق تھے۔ اور پسند نہ کیا ہو کہ اپنے بیٹے کو یہ کہیں کہ تُو میری ایسی اطاعت کر اور ایسی خدمت کر لیکن اللہ تعالیٰ نے جب یہ وصیت تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے اپنی پاک کتاب میں درج فرمائی تو یہ ضروری حکم بھی اس کے اندر درج فرمایا''۔ (حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۳۶۳)

سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

''اس کے بعد وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کا حکم دے کر والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم ہے۔ کیونکہ والدین کا احسان خدا تعالیٰ کے احسان کا ظل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان حقیقی ہوتا ہے اور باقی سب احسان ظلی ہوتے ہیں اور چونکہ والدین بھی اپنی اولاد کے لئے خدا تعالیٰ کی صفات کے ایک رنگ میں مظہر ہوتے ہیں، اس لئے توحید کے ذکر کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر فرما دیا''۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو اپنے ایک خطبہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

''ماں باپ کا ذکر خدا کے بعد اس تعلق میں بیان فرمایا گیا ہے، اس نسبت سے بیان فرمایا گیا ہے کہ سب سے بڑا رشتہ تخلیق کا رشتہ ہے۔ خدا چونکہ خالق ہے اس لیے سب سے زیادہ اس کا حق ہے اور خدا کے بعد چونکہ ماں باپ تخلیق کے عمل میں بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ تمام رشتوں میں سب سے زیادہ تخلیقی عمل میں حصہ لینے والے ماں باپ ہوتے ہیں اس لئے خدا کے بعد اگر کسی کا حق ہے تو ماں باپ کا ہے''۔

(خطبہ جمعہ ۲۴/ مئی ۱۹۹۶ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۲/ جولائی ۱۹۹۶ء)

والدین کی خدمت جہاد ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے والدین زندہ ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ جی حضور! تو آپؐ نے فرمایا پھر ان کی خدمت کر یہی تیرا جہاد ہے۔ (بخاری کتاب الادب)

ایک حدیث میں ماں کا ذکر ملتا ہے فرمایا۔ جا ماں کی خدمت کر کیونکہ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔ (سنن نسائی کتاب الجہاد)

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ میں آپؐ کے پاس ہجرت کے لئے بیعت کرنے آیا ہوں اور اپنے والدین کو اس حالت میں چھوڑ آیا ہوں کہ وہ رو رہے تھے غالباً جہاد میں حصّہ لینے کا شوق اور جذبہ رکھتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ان کے پاس واپس چلا جا اور انہیں منا جس طرح تو انہیں رُلا آیا ہے۔ (نسائی کتاب البیعتہ)

حضرت اویس قرنیؒ جن کا تعلق یمن سے تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر خدمات بجا لانا چاہتے تھے اور جہاد کا جذبہ بھی رکھتے تھے۔ مگر والدہ کی خدمت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور دستی بیعت سے مشرف نہ ہو سکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی اس عظیم قربانی کا بہت احساس تھا اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ ایک دفعہ یمن کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ مجھے خدائے رحمٰن کی خوشبو اس طرف سے آتی ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۲ صفحہ ۵۰)

پھر آپؐ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اویس اپنی والدہ کا بہت فرمانبردار ہے۔ وہ اس کی خدمت کی وجہ سے زیارت نہیں کر پایا۔ اسے جب تم ملو تو میرا ''السلام علیکم'' کہنا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایسا ہی کیا۔

اس سارے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''پہلی حالت انسان کی نیک بختی کی ہے کہ والدہ کی عزت کرے۔ اویس قرنیؓ کے لئے بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمن کی طرف مُنہ کر کے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت مصروف رہتا ہے اور اسی وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا۔ بظاہر یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں مگر وہ ان کی زیارت نہیں کر سکتے۔ صرف اپنی والدہ کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری میں پوری مصروفیت کی وجہ سے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی خصوصیت سے وصیت فرمائی یا اویسؓ کو یا مسیحؑ کو۔ یہ عجیب بات ہے جو دوسرے لوگوں کو ایک خصوصیت کے ساتھ نہیں ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اُن سے ملنے گئے تو اویسؓ نے فرمایا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتا ہوں اور میرے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے والدہ کی خدمت میں اسقدر سعی کی اور پھر یہ قبولیت اور عزت پائی۔ ایک وہ ہیں جو پیسہ پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام ایسی بُری طرح لیتے ہیں کہ رذیل قومیں چُوہڑے چمار بھی کم لیتے ہوں گے۔ ہماری تعلیم کیا ہے؟ صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ہدایت کا بتلا دینا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ تعلق ظاہر کر کے اس کو ماننا نہیں چاہتا تو وہ ہماری جماعت میں کیوں داخل

ہوتا ہے؟ ایسے نمونے سے دوسروں کو ٹھوکر لگتی ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جو ماں باپ تک کی بھی عزت نہیں کرتے۔ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا مُنہ نہ دیکھیں گے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور فرماں برداری کے رنگ میں خدا اور رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے۔ ورنہ اختیار ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے"۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۹۵ جدید ایڈیشن)

والدین کی نافرمانی گناہ ہے جو خدا تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتا:

جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں کہ عقوقِ والدین یعنی والدین کی نافرمانی عظیم گناہوں میں سے ایک ہے جسے خدا تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو انسان کے تمام گناہ معاف فرما دے ماسوائے والدین کی نافرمانی کے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

اور مشکوٰۃ کتاب الادب میں یہ حدیث اس اضافہ کے ساتھ درج ہے کہ اللہ والدین کی نافرمانی کے مرتکب شخص کو مرنے سے پہلے اس کی زندگی میں ہی سزا دے دیتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اپنے ایک خطاب میں بیان فرماتے ہیں:

"ایسا ہی ایک واقعہ یہ مشہور ہے کہ ایک باپ کو اپنا بچہ بہت پیارا تھا۔ ایک دفعہ اس نے اس کے کمرے کی تلاشی لی۔ دیکھا کہ کیا جمع کرتا ہے۔ اس میں بہت پھٹے پرانے بڑے سائز کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ تو باپ نے حیرت سے پوچھا۔ بیٹا! تم نے اپنے کمرے میں یہ کیا گند جمع کیا ہوا ہے۔ اس نے کہا۔ یہ آپ کے لئے ہے۔ جس طرح آپ نے میرے دادا کے لئے گندے کپڑے رکھے ہوئے تھے تو میں نے کہا وہی سلوک آپ سے ہونا چاہئے۔ جب آپ بڑی عمر کو پہنچیں گے تو آپ کو میں یہی کپڑے پہناؤں گا جو آپ میرے دادا کو پہنایا کرتے تھے۔ تو یہ ایک سبق آموز بات ہے"۔ (روزنامہ الفضل ربوہ ۲/ مئی ۲۰۰۰ء)

یہ مکافاتِ عمل ہے۔ "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" کے مطابق نا خلف اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتی ہے جیسا اس کے ماں باپ اپنے بزرگ والدین سے کرتے آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک حکایت بیان ہوئی ہے جو معاشرہ کو مثالی بنانے اور خاندان کو جنت نظیر بنانے کے لئے بطورِ عبرت کافی ہے۔

"ایک شخص نے اپنے بوڑھے والد کو غصہ میں آ کر گھر سے دور دریا کے کنارے پھینک دیا۔ کچھ عرصہ بعد جب اس کا بیٹا جوان ہوا تو وہ اسی شخص (جس نے اپنے والد کو دریا کے قریب پھینکا تھا) کو اٹھا کر دریا کے قریب پھینکنے جا رہا تھا۔ جب کنارے پر پہنچا تو اس شخص نے کہا مجھے ذرا آگے کر کے پھینکنا کیونکہ اس جگہ تو میں نے اپنے باپ کو پھینکا تھا اور تمہارا بیٹا تمہیں اس سے آگے جا کر پھینکے گا"۔ (جنت کا دروازہ از عبدالسمیع خان صفحہ ۲۹۳)

والدین انسان کے لئے عزت اور شرافت و بزرگی کا معیار ہوتے ہیں اگر ان کا احترام اٹھ جائے تو شرافت کی تمام قدریں مٹ جاتی ہیں۔ آنکھوں سے حیا اور دلوں سے ادب مٹ جاتا ہے۔ خود غرضی اور خودسری جیسی بیماریاں معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور یہی وہ نقائص ہیں جو مغربی معاشرہ کا حصہ بن رہے ہیں۔

مورخہ ۲۲ رمئی ۲۰۰۲ء کے اخبار روزنامہ "نوائے وقت" اسلام آباد میں ایڈیٹر کے نام خطوط میں ایک دل ہلا دینے والا سبق آموز حقیقی واقعہ درج ہوا ہے۔ ایڈیٹر کو مخاطب ہو کر ایک دوست لکھتے ہیں کہ "ضلع ملتان کے ایک گاؤں کا حقیقی واقعہ میں بیان کر رہا ہوں۔ ایک گھر میں بیوی اور ساس میں جھگڑا رہتا تھا۔ خاوند روزانہ جب گھر لوٹتا تو بیوی اس سے ماں کے خلاف شکایت کرتی۔ ایک دن جب خاوند دفتر سے تھکا ہارا واپس لوٹا اور شکایت کے انبار لگے دیکھے تو روز روز کی جھک جھک سے بچنے کے لئے گھر میں جلتی آگ والی لکڑی لے کر ماں کو مارنا شروع کر دیا اور یہ وقت تھا شام ۴:۳۰ کا اور ۵:۰۰ بجے تک وہ مارتا رہا۔ اس دوران ماں اسے بددعا دیتی رہی کہ خدا تجھے بھی ایسی ہی جلتی ہوئی لکڑی کا عذاب دے اور تو بھی ایسے ہی تڑپے جس طرح تو مجھے

تڑپ رہا ہے۔

ماں تو ان دکھوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوگئی مگر اس کی بددُعا اثر کر گئی۔اب روزانہ شام ۴:۳۰ جب بجتے ہیں تو اس ناخلف، نافرمان بچے کے جسم پر کالے داغ بننے شروع ہو جاتے ہیں جس سے شدید جلن ہوتی ہے۔ناقابل برداشت درد ہوتی ہے جو ۵ بجے تک قائم رہتی ہے اور پھر داغ بھی ختم ہونے لگتے ہیں۔اس کا علاج نشتر ہسپتال تک کروایا گیا مگر ڈاکٹروں کو بیماری کی سمجھ نہیں آرہی۔اب تو تکلیف دہ کیفیت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کئی دفعہ خودکُشی کا وہ سوچ چکا ہے۔یہ سزا اسے محض ماں کی بددُعا اور نافرمانی کی وجہ سے مل رہی ہے۔یہ واقعہ نشتر میڈیکل کالج کے ایک ڈاکٹر نے موت کے حیرت انگیز واقعات پر مبنی کتاب میں بھی درج کیا ہے۔" (روزنامہ نوائے وقت اسلام آباد ۲۲/ مئی ۲۰۰۳ء رنگین فیچر اندر کے صفحات)

والدین انسان کی جنت اور دوزخ ہیں:

والدین کی خدمت انسان کو جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی نافرمانی دوزخ کی راہ دکھلاتی ہے۔حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے۔آپؐ نے فرمایا "وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں"۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب)

مکرم عبدالسمیع خان صاحب ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ نے اپنی تصنیف "جنت کا دروازہ" میں ایک بہت اہم نکتہ بیان فرمایا ہے کہ والدین ہی وہ ہستیاں ہیں جن کے ذریعہ ایک فرد اس دُنیا میں داخل ہوتا ہے اور یہی وہ دو وجود ہیں جن کی خدمت اور معروف اطاعت سے انسان خدا کی رضا کی جنت میں داخل ہوتا ہے۔اس لئے والدین بجا طور پر دُنیا کا بھی دروازہ ہیں اور جنت کا بھی۔ (جنت کا دروازہ صفحہ ۲، زیر عنوان "داخلہ")

حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور بہت ہی دلچسپ روایت ملتی ہے۔بیان کرتے ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے اپنے ماں باپ دونوں کی اطاعت کرتے ہوئے دن کا آغاز کیا تو اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اگر دونوں میں سے ایک کی اطاعت کرے تو ایک دروازہ کھولا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ماں باپ کی نافرمانی سے دن کا آغاز کرتا ہے تو اس کے لئے جہنم کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر ایک کی نافرمانی کی تو ایک دروازہ کھل جاتا ہے۔ کسی صحابیؓ نے پوچھا؟ یارسول اللہؐ! چاہے والدین ظالم ہوں تب بھی؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں اگر چہ وہ ظالم ہوں، ہاں اگر چہ وہ ظالم ہوں، ہاں اگر چہ وہ ظالم ہوں"۔ (مشکوٰۃ کتاب الادب)

ایک ارشاد نبویؐ سے تو یہ مسئلہ ہی حل ہو جاتا ہے۔ جب ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہؐ! میرے والدین بوڑھے ہیں۔ میں ان کی ہر طرح کی خدمت کرتا ہوں۔ بستر پر کھانا کھلاتا ہوں، رفع حاجت کے لئے لے جاتا ہوں۔ نئے کپڑے بدلواتا ہوں، اُسی طرح جس طرح وہ مجھے بچپن میں پالا کرتے تھے۔ حضورؐ! کیا میں نے ان کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مخاطب ہو کر جلالی رنگ میں فرمایا کہ وہ تجھے پالتے وقت تیری زندگی کی تمنا کرتے تھے۔ آج تو انہیں پالتے وقت موت کی تمنا لئے ہوئے ہے۔

والدین کی خدمت سے عمر اور رزق میں برکت آتی ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی خواہش ہو کہ اس کی عمر لمبی ہو اور رزق میں فراوانی ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے اور صلہ رحمی کی عادت ڈالے۔ (مسند احمد جلد ۳، صفحہ ۲۶۶)

اسی طرح ایک روایت ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا تَرَکَ الْعَبْدُ الدُّعَاءَ لِلْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یَنْقَطِعُ عَنْہُ الرِّزْقُ۔

کہ آدمی جب ماں باپ کے لئے دُعا کرنا چھوڑ دیتا ہے اس کا رزق منقطع ہو جاتا ہے۔

ماں کا رتبہ:

اسلام کی تعلیمات کے نقطہ نظر سے ماں باپ میں ماں کا رتبہ بلند ہے۔ عرف عام میں بھی جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان میں ماں کا لفظ پہلے بولا جاتا ہے۔ جیسے ماں باپ، امی ابا وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید کے ساتھ ہی فرمایا:

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (الاحقاف:١٦)

یعنی ماں کو اس سلسہ میں باپ پر اولاد کے نزدیک فضیلت عطا فرمائی کہ اس نے زمانہ حمل میں کمزوری کے ایک دور کے بعد کمزوری کے دوسرے دور میں اٹھایا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ** فرما کر عورت بالخصوص ماں کے عظیم رتبہ کو مزید بلند فرما دیا۔ اس امر کی مؤید یہ حدیث بھی ہے:

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا؟ یا رسول اللہؐ! لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں۔ دوسری دفعہ پوچھنے پر پھر فرمایا تیری ماں۔ تیسری دفعہ بھی یہی جواب دیا اور پھر فرمایا ماں کے بعد تیرا باپ۔ پھر درجہ بہ درجہ قریبی رشتہ دار۔ (بخاری کتاب الادب)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں والدہ کو مقدم رکھا ہے کیونکہ والدہ بچہ کے واسطہ بہت دکھ اُٹھاتی ہے۔ کیسی ہی متعدی بیماری بچہ کو ہو، چیچک ہو، ہیضہ ہو، طاعون ہو، ماں اس کو چھوڑ نہیں سکتی''۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۸۹ جدید ایڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

''پہلے ماں باپ ہر دو کی طرف توجہ دلا کر پھر ساتھ ہی ماں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر شروع کر دیا کیونکہ عموماً لوگ باپ کی عزت تو کرتے ہیں مگر ماں کی خدمت کا حق ادا نہیں کرتے''۔ (حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۳۶۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پس ماؤں سے جو غیر معمولی حسن سلوک کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالکل صحیح ہے۔ایسا ہی ہونا چاہئے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ساری جماعت میں ماؤں کی عزت کی جائے گی''۔ (الفضل ۲/مئی ۲۰۰۰ء)

شاید یہ رتبہ اس تعلق کی بنا پر ملا ہے جو ماں کا اولاد سے اُسی طرح کا ہے جس طرح رب کا اپنی مخلوق سے۔کسی نے اس تعلق کی مماثلت یوں بیان فرمائی ہے:

☆ رب خالق ہے انسان کو پیدا کرتا ہے	☆ ماں تخلیق میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے
☆ رب پالنے والی ذات ہے	☆ ماں بھی اولاد کو پالتی ہے
☆ رب رزق مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے	☆ ماں کے وجود سے بھی بچپن میں اس کے رزق کا سامان مہیا ہوتا ہے
☆ رب محسن ہے احسان کا بدلہ نہیں مانگتا	☆ ماں بھی بغیر صلہ بغیر کسی بدلہ کے ساری عمر اولاد پر خرچ کرتی رہتی ہے
☆ رب رحمان ہے بن مانگے دینے والا ہے	☆ ماں بھی رحمانیت کا مظہر ہے۔ماں کی طرف کے رشتہ داروں کو رحمی رشتہ دار اسی لئے کہا جاتا ہے کہ رحم برتنے کی تلقین ملتی ہے اور کہا جاتا ہے جو رحمی رشتوں کو کاٹتا ہے وہ رحم سے تعلق توڑتا ہے وہ رحمان سے کٹ جاتا ہے

☆ رب منعم ہے انعام دینے والا ہے ☆ ماں بھی چھوٹے موٹے کام کرنے کی صورت میں انعام کرتی رہتی ہے

ماں کے لئے عربی میں اُمّ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہمزہ تو الف کی ادائیگی کے لئے لایا گیا ہے۔ ورنہ صرف الف ہے جو ساکن ہے اور باقی صرف ''م'' رہ جاتا ہے جو دُنیا کی ہر زبان میں موجود ہے جیسے ام۔ ماں۔ امی۔ ممی۔ اماں۔ ماما۔ ممتا۔ مما۔ مدر۔ Mother۔ مادر۔ ماتا۔ مادرے۔ ماتے۔ مو۔ وغیرہ وغیرہ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے رویا میں جنت میں قرآن کریم کی تلاوت سنی۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ تو اہل جنت نے کہا کہ ''یہ حارثہ بن نعمانؓ ہیں جو اپنی والدہ کے ساتھ سب لوگوں سے بڑھ کر حسن سلوک کرنے والے ہیں''۔

(مشکوٰۃ کتاب الادب)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکرؓ کو ان کے دریافت کرنے پر مشرکہ والدہ سے صلہ رحمی اور حسن سلوک کی تعلیم دی (بخاری) اور خود اپنی رضاعی والدہ کی آمد پر اپنی چادر بچھادی اور ماں ماں کہہ کر ان کا استقبال کرنے کے لئے ان کی طرف لپکے (الادب المفرد البخاری) بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ ایک بار تشریف فرما تھے کہ آپؐ کے رضاعی والد آئے تو آپؐ نے ان کے لئے چادر کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر رضاعی ماں آئیں تو آپؐ نے دوسرا گوشہ بچھا دیا۔ پھر آپؐ کے رضاعی بھائی آ گئے تو آپؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا دیا۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں:

''یاد رکھنا چاہئے کہ رضاعت کا ماحول بھی وہی ہوتا ہے جو رحم کے رشتوں کا۔ بچہ کا وہی تعلق رضاعی ماں سے ہوتا ہے جو سگی ماں سے اور اسی طرح رضاعی بہنیں اور دیگر رشتہ دار ایسے ماحول میں ہوتے ہیں، جو سگے رشتہ داروں کا ماحول ہے اور ان سے تعلق ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا

کہ اصلی رشتہ داروں سے اور جذبات محبت باہم آمیختہ ہو کر وہ ایک دوسرے پر، سگوں کی طرح جان چھڑکتے ہیں۔ پس ان لطیف جذبات کو قائم رکھنا اور ان کی ایسی ہی عزت اور حرمت رکھنا جیسی اپنی ماں اور بہن اور بیٹا بیٹی کے لئے رکھی جاتی ہے۔ یہ قرآنِ مجید کا کمال ہے وہ کبھی سچے اور نازک احساسات کو دھکا نہیں پہنچاتا۔ اور انسان کو بجائے حیوانیت کے اوپر اور اوپر ہی لے جاتا ہے۔ پس جیسے خون کے رشتے شریعت نے حرام کئے ہیں۔ ویسے ہی رضاعی بھی۔''

(مضامین ڈاکٹر محمد اسماعیل جلد دوم صفحہ ۸۲۴)

مشترکہ خاندانی نظام میں اگر ماں ساتھ رہ رہی ہو تو اُس کی خدمت بھی ان درج بالا اصولوں کے مطابق کی جاسکتی ہے اور اُس سے دن رات صبح شام دُعا بھی لی جاسکتی ہے۔

ایک دوست بیان کرتے ہیں کہ گھر سے باہر نکلتے وقت جب والدہ کی طرف کھڑے ہو کر بلند آواز سے السلام علیکم کہتا تھا تو وہ نظر اٹھا کر مجھے دیکھتی اور بلند آواز سے سلام کے جواب میں ڈھیروں دُعاؤں کے ساتھ رخصت کرتی۔ گھر سے نکلتے وقت یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں گھر سے زرہ پہن کر نکلا ہوں۔ میں اپنی اس خوش بختی پر نازاں بھی تھا لیکن آج میں مسکین ہوں۔ عظیم والدہ سے محروم ہوں۔ دعاؤں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے جو میرے لئے زرہ سے کم نہ تھیں۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھیں گے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور وفاداری کے رنگ میں خدا، رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے، ورنہ اختیار ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے،''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۹۶ جدید ایڈیشن)

نیز فرمایا:

''جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے

نہیں ہے''۔ (کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

''ماں باپ ایک تربیت کے متعلق ہی جس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں اگر اس پر غور کیا جائے تو بچے پیر دھودھو کر پئیں۔ میں نے چودہ بچوں کا بلاواسطہ باپ بن کر دیکھا ہے کہ بچوں کی ذراسی تکلیف سے والدین کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ان کے احسانات کے شکریہ میں ان کے حق میں دعا کرو۔ میں اپنے والدین کے لئے دعا کرنے سے کبھی نہیں تھکا۔کوئی ایسا جنازہ نہیں پڑھا ہوگا جس میں ان کے لئے دعا نہ کی ہو۔جس قدر بچہ نیک بنے ماں باپ کو راحت پہنچتی ہے اور وہ اسی دنیا میں بہشتی زندگی بسر کرتے ہیں''۔ (حقائق الفرقان جلد ۲ صفحہ ۵۲۹)

باپ سے حسن سلوک:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی رضا کو والد کی رضا اور خدا کی ناراضگی کو والد کی ناراضگی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

رَضَا الرَّبِ فِیُ رَضَا الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِ فِیُ سَخَطِ الْوَالِدِ.

(ترمذی ابواب البر والصلہ)

نیز آپؐ نے باپ کو جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ قرار دیا ہے۔

فرماتے ہیں:

اَلْوَالِدُ اَوُسَطُ الْاَبُوَابِ الْجَنَّةِ (ترمذی ابواب البر والصلہ)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

''بڑے ہی بدقسمت وہ لوگ ہیں جن کے ماں باپ دنیا سے خوش ہو کر نہیں گئے۔ باپ کی رضامندی کو میں نے دیکھا ہے، اللہ کی رضامندی کے نیچے ہے اور اس سے زیادہ کوئی نہیں۔۔۔۔انسان کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ سے بہت ہی نیک سلوک کرے۔تم میں سے

جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ انکی خدمت کرے اور جس کا ایک یا دونوں وفات پا گئے ہیں وہ ان کے لئے دعا کرے، صدقہ دے اور خیرات کرے۔''

(حقائق الفرقان جلد اول صفحہ ۱۸۳)

ساس سُسر کا احترام:

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی بیٹی کسی کے ساتھ بیاہ دی تو وہ اُس کے لئے بھی والد کا درجہ رکھتا ہے لہذا اس کا احترام بھی ضروری ہے۔

اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں باہم پیار و محبت اور احترام ہو۔ چنانچہ دو گھرانوں کے درمیان ایک خوشگوار فضا کو قائم رکھنے کے لئے لازم ہے کہ مرد، بیوی کی والدہ اور والد کا احترام کرے اور بیوی اپنی ساس سُسر سے عزت سے پیش آئے۔ اس طرح دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے دل میں گھر کر سکتے ہیں اور اگر دونوں ایک دوسرے کے والدین کی دلآزاری کریں گے تو کنبہ جو کہ معاشرے کی ایک اکائی ہے انتشار اور بدامنی کا شکار ہو جائے گا۔

ایک لڑکی نے کچھ عورتوں کے سامنے اپنی ساس کے بارے میں گلہ کرتے ہوئے کہا کہ بُرا مقام ہے جس میں میری ساس وغیرہ رہتے ہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بہت بُرا منایا اور فرمایا:

''شہر تو کوئی بُرا ہوتا ہی نہیں۔ اگر کسی شہر کو بُرا کہا جائے تو اس سے مُراد اس کے شہر والے ہوتے ہیں۔ پس نہایت قابلِ افسوس ہے اُس عورت کی حالت، جو ایسا فقرہ اپنی زبان پر لاتی ہے اور اس طرح اپنے خاوند اور اس کے والدین کی بُرائی کرتی ہے''۔

اس کے بعد اس عورت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''خدا تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں کرتا۔ یہ مرض عورتوں میں بہت کثرت سے ہوا کرتا

ہے کہ وہ ذراسی بات پر بگڑ کر اپنے خاوند کو بہت کچھ بھلا بُرا کہتی ہیں بلکہ اپنی ساس اور سُسر کو بھی سخت الفاظ سے یاد کرتی ہیں۔ حالانکہ وہ اس کے خاوند کے بھی قابلِ عزت بزرگ ہیں۔ وہ اس کو ایک معمولی بات سمجھ لیتی ہیں اور ان سے لڑنا وہ ایسا ہی سمجھتی ہیں جیسا کہ محلّہ کی اور عورتوں سے جھگڑا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی خدمت اور رضا جوئی ایک بہت بڑا فرض مقرر کیا ہے ـــــ۔ خدا تعالیٰ نے انسان پر دو ذمہ داریاں مقرر کی ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور ایک حقوق العباد۔ پھر اس کے دو حصے کئے ہیں یعنی اول تو ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اور پھر دوسری مخلوق الٰہی کی بہبودی کا خیال۔ اور اسی طرح ایک عورت پر اپنے ماں باپ اور خاوند اور ساس سسر کی خدمت اور اطاعت۔ پس کیا بد قسمت ہے جو ان لوگوں کی خدمت نہ کر کے حقوق العباد اور حقوق اللہ دونوں کی بجا آوری سے منہ موڑتی ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۱۷۹ جدید ایڈیشن)

والدین اور تین کا ہندسہ:

والدین کی اطاعت، اُن کی خدمت اور اُن سے حسن سلوک کے حوالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اقوال کا مطالعہ کریں تو تین کا ہندسہ کثرت سے ملتا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی خاطر استعمال فرمایا۔ کسی جگہ فرمایا میں تمہیں تین گناہ نہ بتلاؤں۔ کسی جگہ فرمایا تین دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کسی موقع پر تین مراتب اور درجوں کا ذکر فرمایا۔ ان تمام احادیث کو یہاں یکجائی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تا والدین کی عزت اور اُن سے تکریم سے پیش آنے کے مضمون کی اہمیت زیادہ اُجاگر ہو سکے۔

1) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دُعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

۱۔ مظلوم کی ۲۔ مسافر کی ۳۔ والدین کی

اس لئے ان کی بد دعا سے بچنا چاہئے۔ (ترمذی ابواب البر والصلہ)

2) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ کی محفل میں تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے کہ مٹی میں ملے اس کی ناک، وہ شخص بہت بدقسمت ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی حضورؐ! کون شخص؟ فرمایا جس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوسکا۔

(مسلم کتاب البر والصله)

3) ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ لوگوں میں سے میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ تیری ماں، پھر پوچھا کون؟ فرمایا تیری ماں، اس نے تیسری بار پوچھا؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں اور پھر تیری ماں کے بعد تیرا باپ اور پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ دار۔ (بخاری کتاب الادب)

4) ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تمہیں تین بڑے گناہ نہ بتلاؤں۔ صحابہؓ نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا! اللہ کا شرک کرنا، والدین کی نافرمانی اور ان کی خدمت سے غفلت برتنا۔ اور پھر آپؐ جوش میں آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا سنو سنو جھوٹ نہ بولنا۔ (صحیح بخاری کتاب الشهادات)

5) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے:

i. ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں،

ii. ایسا خیراتی کام جو اس کے نام سے جاری رہے یعنی صدقہ جاریہ،

iii. ایسا نیک لڑکا جو اپنے والد کے لئے دُعا کرتا ہو۔ (سنن دارمی جلد اول صفحه ۱۳۹)

6) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں وہ ان کی اچھی تربیت کرے۔ اپنی طاقت کے مطابق اچھا لباس پہنائے تو وہ اسے جہنم کی آگ سے بچانے کا ذریعہ ہونگی۔۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ وہ اور میں ان دو انگلیوں کی طرح (حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے دو انگلیاں ملائیں) جنت میں اکٹھے ہوں گے۔ (الادب المفرد۔ ابن ماجه)

(7) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ والدین تین طرح کے ہیں۔

i. وہ جس نے جنم دیا،

ii. وہ جس نے تعلیم دی یعنی استاد وغیرہ،

iii. وہ جس نے اپنی بیٹی دے دی یعنی سُسر۔

(8) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک حکایت بیان فرمائی کہ تین مسافر سفر کر رہے تھے رات کو ایک غار میں ٹھہرے۔ پتھر سے غار کا مُنہ بند ہو گیا۔ سب نے اپنے اپنے نیک عمل کا واسطہ دے کر خدا تعالیٰ سے پتھر کے سرکنے کے لئے دُعا کی۔ پہلے دو کی دُعا سے بھی پتھر تھوڑا سا سرکا مگر وہ باہر نہیں آسکتے تھے۔ تب تیسرا یوں گویا ہوا۔ او خداوند! میرے والدین عمر رسیدہ تھے میں سب سے پہلے انہیں دودھ پلاتا تھا۔ ایک دن مجھے دیر ہو گئی اور وہ سو گئے۔ میں ساری رات ان کے سرہانے دودھ لئے کھڑا رہا تا کہ وہ پئیں اور میں پھر بچوں کو دوں یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ وہ جب اُٹھے ان کو پلا کر میں وہاں سے ہٹا۔ اس کی یہ التجا قبول ہوئی اور پتھر سرک گیا اور وہ تینوں باہر آ گئے۔ (بخاری)

(9) اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی خدمت کے تین درجے اور مراتب بیان فرمائے ہیں۔ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی. (النحل: ۹۱)

کہ اللہ تعالیٰ نے عدل، دوسرے نمبر پر احسان اور پھر ایتاء ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ان تین مراتب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسی واسطے اس نقص اور کمی کی تلافی کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (عدل کا سفر کرتے ہوئے۔ ناقل) احسان سے بھی آگے بڑھو اور ترقی کر کے ایسی نیکی کرو کہ وہ

ایتاءِ ذی القربیٰ کے رنگ میں رنگین ہو یعنی جس طرح سے ایک ماں اپنے بچے سے نیکی کرتی ہے۔ ماں کی اپنے بچے سے محبت ایک طبعی اور فطری تقاضا پر مبنی ہے نہ کہ کسی طمع پر"۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۶۳ جدید ایڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی نصائح:

ہمارے پیارے امام ہمام حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں اس مضمون کو بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور والدین سے حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کے بارہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکیں یا شرک کی تعلیم دیں۔ اس کے علاوہ ہر بات میں ان کی اطاعت کا حکم ہے۔ اور یہ حکم اس لئے ہے کہ جو خدمت انہوں نے بچپن میں ہماری کی ہے۔ اس کا بدلہ تو ہم نہیں اتار سکتے۔ اس لئے یہ حکم ہے کہ ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے لئے دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور بڑھاپے کی اس عمر میں بھی، ان کو ہماری طرف سے کسی قسم کا کبھی دکھ نہ پہنچے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خدمت اور دعا کے باوجود یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے ان کی بہت خدمت کر لی اور ان کا حق ادا ہو گیا۔ اس کے باوجود بچے جو ہیں اس قابل نہیں کہ والدین کا وہ احسان اُتار سکیں جو انہوں نے بچپن میں ان پر کیا۔۔۔۔۔

وہ وقت یاد کرو جب تمہاری ماں نے تکالیف اُٹھا کر تمہاری پیدائش کے تمام مراحل طے کئے۔ پھر جب تم کسی قسم کی کوئی طاقت نہ رکھتے تھے تمہیں پالا پوسا، تمہاری جائز و ناجائز ضرورت کو پورا کیا۔ اور آج اگر وہ ایسی عمر کو پہنچ گئے ہیں جہاں انہیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے جو ایک لحاظ سے ان کی اب بچپن کی عمر ہے کیونکہ بڑھاپے کی عمر بھی بچپن کے مشابہ ہی ہے۔ ان کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔ تو تم یہ کہہ دو کہ نہیں ہم تو اپنے بیوی بچوں میں مگن

ہیں۔ہم خدمت نہیں کر سکتے۔اگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے کچھ ایسے الفاظ کہہ دیں جو تمہیں ناپسند ہوں تو تم انہیں ڈانٹنے لگ جاؤ یا مارنے تک سے گریز نہ کرو۔بعض لوگ اپنے ماں باپ پر ہاتھ بھی اٹھا لیتے ہیں۔میں نے خود ایسے لوگوں کو دیکھا ہے۔بہت ہی بھیانک نظارہ ہوتا ہے۔اُف نہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ تمہاری مرضی کی بات نہ ہو بلکہ تمہارے مخالف بات ہو تب بھی تم نے اُف نہیں کرنا۔اگر ماں باپ ہر وقت پیار کرتے رہیں، ہر بات مانیں، ہر وقت تمہاری بلائیں لیتے رہیں، لاڈ پیار کرتے رہیں پھر تو ظاہر ہے کوئی اُف نہیں کرتا۔فرمایا کہ تمہاری مرضی کے خلاف باتیں ہوں تب بھی نرمی سے، عزت سے، احترام سے پیش آنا ہے۔اور نہ صرف نرمی اور عزت و احترام سے پیش آنا ہے بلکہ ان کی خدمت بھی کرنی ہے اور اتنے پیار، محبت اور عاجزی سے ان کی خدمت کرنی ہے جیسا کہ کوئی خدمت کرنے والا کر سکتا ہو۔اور سب سے زیادہ خدمت کی مثال اگر دُنیا میں موجود ہے تو وہ ماں کی بچے کے لئے خدمت ہی ہے۔اب یہاں رہنے والے، مغرب کی سوچ رکھنے والے بلکہ ہمارے ملکوں میں بھی، برصغیر میں بھی بعض لوگ لکھتے ہیں کہ ماں باپ کی خدمت نہیں کر سکتے، ایک بوجھ سمجھتے ہیں اور یہ لکھتے ہیں کہ جماعت ایسے بوڑھوں کے مراکز کھولے جہاں یہ بوڑھے داخل کروا دیئے جائیں۔کیونکہ ہم تو کام کرتے ہیں۔بیوی بھی کام کرتی ہے بچے سکول چلے جاتے ہیں اور جب گھر آتے ہیں تو بوڑھے والدین کی وجہ سے ڈسٹرب (Disturb) ہوتے ہیں۔اس لئے سنبھالنا مشکل ہے۔کچھ خوف خدا کرنا چاہئے۔قرآن تو کہتا ہے ان کی عزت کرو اور ان کا احترام کرو اور اس عمر میں ان پر رحم کے پَر جھکا دو جس طرح بچپن میں انہوں نے ہر مصیبت جھیل کر تمہیں اپنے پروں میں لپیٹے رکھا۔تمہیں اگر کسی نے کوئی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی تو مائیں شیرنی کی طرح جھپٹ پڑتی تھیں۔اب ان کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تو کہتے ہو کہ ان کو جماعت سنبھالے۔جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے سنبھالتی ہے لیکن ایسے بوڑھوں کو جن کی اولاد نہ ہو یا جن کے کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہوں لیکن جن کے اپنے بچے سنبھالنے والے موجود ہوں تو بچوں کا فرض ہے کہ والدین کو سنبھالیں۔تو ایسی سوچ

رکھنے والوں کو اپنی طبیعتوں، اپنی سوچوں کو تبدیل کرنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ جب تک والدین سے فائدہ اٹھاتے رہے، اٹھالیا، مکان اور جائیدادیں اپنے نام کروالیں۔ اب ان کو پرے پھینک دو۔ کسی احمدی کی یہ سوچ نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تو اسلام کی بھلائی ہوئی تعلیم کو دنیا میں دوبارہ رائج کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس کے حُسن کی چمک دنیا کو دکھانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے نہ کہ اس کے خلاف عمل کروانے کے لئے''۔

آگے چل کر حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان کے جو تم پر احسانات ہیں انہیں یاد رکھو۔ یاد رکھو کہ بچپن میں تمہیں انہوں نے بڑی تکلیف سے پالا ہے۔ اگر تمہاری طرف توجہ نہ دیتے تو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ تمہاری تو یتیمی کی حالت تھی۔ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ تمہیں کسی نے پوچھنا بھی نہیں تھا۔ وہ ماں باپ ہی ہیں جو بچے کو اس طرح پوچھتے ہیں، درد سے پوچھتے ہیں۔ تو جب تم بڑے ہوتے ہو تو تمہاری لکھائی پڑھائی کی کوشش کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اپنے پر ہر تکلیف وارد کرتے ہیں اور تمہیں پڑھاتے ہیں۔ کئی والدین ایسے ہیں جو فاقے کرتے ہیں اور اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے پڑھ جائیں۔ تاکہ بڑے ہو کر وہ معاشرے میں عزت واحترام سے رہ سکیں۔ ہمارے والا ان کا حال نہ ہو۔ لیکن بعض ایسے ناخلف اور بدقسمت بچے ہوتے ہیں کہ جب وہ سب کچھ ماں باپ سے حاصل کر لیتے ہیں۔ تعلیم حاصل کر کے کہیں بڑے افسر لگ جاتے ہیں تو اپنی الگ دنیا بسا لیتے ہیں۔ اور پھر ماں باپ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی''۔

حضور نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعودؑ لکھتے ہیں:

''ہمارے ماحول میں زمینداروں میں تو اکثر ایسی مثالیں ملتی ہیں جو اپنے والدین کو پوچھتے نہیں۔ اسی طرح بعض نوجوان اپنی ماؤں کی خبر گیری ترک کر دیتے ہیں اور جب پوچھا جاتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اماں جی کی طبیعت تیز ہے اور میری بیوی سے ان کی بنتی نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں یہ تو کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ماں کا بھی بہر حال ایک مقام

ہے پس اس خطرناک نقص کو دور کرواور اپنے والدین کی خدمت بجالاؤ ورنہ تم اس جنت سے محروم رہ جاؤ گے، جو تمہارے ماں باپ کے قدموں کے نیچے رکھی گئی ہے۔۔۔۔۔

مرد تو چونکہ مضبوط اعصاب کا ہوتا ہے، قوام ہے اس لئے اگر گھر میں کوئی اختلاف کی وجہ بن بھی جائے تو پیار سے، محبت سے سمجھا کر حالات کو سنبھالیں۔اسی طرح جوان بچیاں اور بہوئیں وغیرہ کو بھی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بوڑھوں کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور ان سے اگر کوئی سخت بات بھی ہو تو برداشت کر لیں اور اس وجہ سے برداشت کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے تو پھر خدا طاقت اور ہمت بھی دیتا ہے اور حالات میں سدھار پیدا ہوتا ہے"۔ (خطبہ جمعہ ۱۶/ جنوری ۲۰۰۴ء از روزنامہ الفضل ۸/جون ۲۰۰۴ء)

رحمی رشتہ داروں سے تعلق:

والدین کی خدمت کے بعد بزرگوں کا ادب اور رشتوں کا پاس ایک مہذب معاشرہ اور مشرقی تہذیب کا بنیادی پتھر اور اس کا حسن ہے۔مشرقی تہذیب یعنی Combined Family System میں بچوں کو بزرگوں کی خدمت کے مواقع کثرت سے میسر آتے ہیں اور یوں اللہ کی رضا کے حصول پر بھی قدم مارنے کا موقعہ ملتا ہے۔اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہت واضح احکامات موجود ہیں کہ کس طرح ہم اپنے عزیز رشتہ داروں جیسے چچا۔خالہ۔ ماموں ۔بہن بھائیوں سے پیش آنا ہے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت واضح ارشاد ہے۔ جہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں سے تین دفعہ حسن سلوک کی تلقین فرمائی اور پھر والد کا ذکر فرمایا۔اس کے بعد فرمایا پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتہ دار۔ (بخاری کتاب الادب)

اور سنن ابن ماجہ کتاب الادب میں درجہ بدرجہ رشتہ داروں کے بعد تعلق داروں سے حسنِ سلوک کا ذکر ملتا ہے۔

پیارے آقا ہادی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر فرمایا:

کہ جو شخص رزق کی فراخی چاہتا ہے یا خواہش رکھتا ہے کہ اسکی عمر اور ذکر خیر زیادہ ہو اُسے صلہ رحمی کا خلق اختیار کرنا چاہیئے یعنی اپنے رشتہ داروں سے بنا کر رکھنی چاہیے۔

(مسلم کتاب البّر دالصله)

بہن بھائی سے تعلق:

ماں باپ کے بعد سب سے قریبی تعلق بہن بھائی کا ہے۔ بھائی کے تعلق میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

(بخاری کتاب الایمان)

یعنی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

آپؐ نے دو بھائیوں کے درمیان ناراضگی کو پسند نہیں فرمایا اور تین دن کے اندر اندر صلح کرنے کی تلقین فرمائی۔ (بخاری کتاب الادب)

بلکہ ایک موقع پر فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی کو دیکھے تو مسکراتے ہوئے چہرہ کے ساتھ اُسے ملے۔ یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

یہی وہ اخوت اور محبت ہے جس کو معاشرہ میں، خاندانوں میں رواج دے کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام میں بہن بھائیوں میں آپس میں پیار کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ماں باپ سے حسن سلوک کے بعد بہن بھائیوں سے حسن سلوک کی تعلیم ملتی ہے۔ حضرت کلیب بن منفعہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے دادا ابو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یارسول اللہؐ! کس کس سے حسن سلوک کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنی ماں سے، اپنے باپ سے،

اپنی بہن سے، اپنے بھائی سے اور اپنے آزاد کردہ غلام سے۔ (الادب المفرد)

اور یوں بہن کے حق کو بھائی پر بھی مقدم کر دیا۔ اور جہاں آپؐ نے اپنی بیٹیوں سے حسن سلوک کرنے اور اعلیٰ طریق پر پرورش کرنے پر جنت کی بشارت دی وہاں ایک روایت میں جو الادب المفرد میں بیان ہوئی ہے تین بیٹیوں کے ساتھ تین بہنوں کا ذکر بھی ہے کہ جس نے اپنی تین بہنوں کی صحیح رنگ میں پرورش کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اس جنت کی بشارت کے وہی حق دار ہو سکتے ہیں جو اپنی ان بہنوں کی دیکھ بھال اور ان کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوں اور ان کی دینی و دنیوی تعلیم کا حق ادا کرتے ہوں۔ یہ زیادہ تر مشترکہ خاندانی نظام میں ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

حَقُّ كَبِيرِ الْإِخْوَةِ عَلٰى صَغِيرِهِمْ كَحَقِّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ

(حديقة الصالحين صفحه ۴۲۱)

کہ بڑے بھائی کا حق اپنے چھوٹے بھائیوں پر ایسے ہی ہے جیسے والد کا حق اپنے بچوں پر یعنی بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے۔ اس لئے اس کا ادب واحترام بھی واجب ہے اور بڑے کو والد کی حیثیت سے چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

چچا تایا کا مقام:

اسلام نے والد کے عزیز و اقارب یعنی صلبی رشتہ داروں کی عزت کرنے کی بھی تلقین فرمائی ہے۔ بلکہ نکاح میں والد کے وفات یافتہ ہونے کی صورت میں ولایت بھی بھائی کے گواہی کے لائق نہ ہونے پر صلبی رشتہ داروں یعنی چچا تایا کی طرف منسوب کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی طرف سے زکوٰۃ دی۔ اور فرمایا چچا بھی باپ کی مثل ہوتا ہے۔ (مسلم کتاب الزکوۃ)

پھر فرمایا جس نے میرے چچا کو تکلیف دی اُس نے گویا مجھے تکلیف دی۔ (ترمذی)

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ والد کے عزیز و اقارب سے حسن سلوک کرنا اور پیار و محبت سے پیش آنا بھی اسلامی تعلیم ہے۔اسی طرح چچا کو یہ حق بھی دیا گیا ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں بچہ اس کے گھر پرورش پائے۔ (ترمذی ابواب البروالصلہ)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے، اُپنے چچا مرزا نظام الدین صاحب کا نام صرف نظام الدین کہہ کرلیا۔آپؑ نے فرمایا۔میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے اس طرح نام نہیں لیا کرتے۔ (ماہنامہ انصاراللہ، اکتوبر 1998ء)

خالہ ماں کی طرح ہے:

ماں کی طرف سے عزیز و اقارب کی عزت بھی اسلامی معاشرہ کا حصّہ ہے۔خالہ ماں کی مثل ہے۔ایک صحابیؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ آنحضورؐ نے فرمایا، کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔فرمایا کیا تیری خالہ موجود ہے؟ عرض کیا ہاں۔فرمایا اس کے ساتھ حسن سلوک کر۔خدا تیرا گناہ بخش دے گا۔ (ترمذی کتاب البر والصلہ فی برالخالہ)

کتب احادیث میں یہ دلچسپ واقعہ بھی محفوظ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ جب ادائے عمرہ کے بعد مکّہ مکرمہ سے نکلنے لگے تو حضرت حمزہؓ کی بیٹی میرے چچا، میرے چچا کہہ کر آپؐ کی طرف لپکی۔اُسے حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اُٹھا لیا کہ یہ میری بہن ہے۔حضرت زیدؓ کہنے لگے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی ہیں۔اس لئے یہ میری بہن ہے۔حضرت جعفر طیارؓ نے عرض کی کہ اس بچی کی خالہ میرے گھر میں ہے۔اس لئے یہ مجھے ملنی چاہیے۔یہ خوش کن منظر دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی اس کی خالہ کی گود میں ڈال دی اور فرمایا **اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ** کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔ (بخاری کتاب المغازی)

اور یوں بھانجوں اور بھانجیوں سے خالہ کی ماں کی طرح اطاعت کروائی۔اس سے جوائنٹ فیملی سسٹم میں دوسرے قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بھی بآسانی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

''نکاح۔۔۔سے ایک خاندان اور قوم میں ان تعلقات کی بناء پر رشتہ اخلاص اور محبت پیدا ہوتا ہے''۔ (حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۲۱۹)

اور سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۲۹ کی تفسیر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ کی وہ تاریخی گواہی کہ ''خدا آپؐ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔آپؐ تو صلہ رحمی کرتے ہیں'' درج فرما کر احبابِ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پس تم بھی رشتہ داروں سے خاص پیار اور محبت کرو کہ خدا ذلت سے بچاوے''۔

(حقائق الفرقان جلد سوئم صفحہ ۴۰۷)

نیز فرمایا:

''بی بی، بچوں، بیبیوں کے کنبہ اور تمام وسیع متعلقوں سے اِسے (خاوند کو) بہت کچھ اخلاق سے کام لینا پڑے گا''۔ (حقائق الفرقان جلد سوئم صفحہ ۴۰۷)

والدین کی وفات کے بعد ان کے عزیزوں سے حسن سلوک:

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں جب تک والدین زندہ ہوں بچے ان کی عزت تو کرتے ہی ہیں مگر جونہی وہ اس دنیا سے آنکھیں بند کرتے ہیں۔گھرانے کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے وہ تمام بھائی جو اُن کی وجہ سے ایک پلیٹ فارم پر جمع تھے اب علیحدگی کے راستے تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔جبکہ معاشرہ، سماج ہے ہی نام مل جل کر رہنے کا۔مل جل کر رہنے

سے اپنے فرائض کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے۔ اور اگلے کے حقوق کا بھی اندازہ بآسانی ہوتا رہتا ہے۔ ایک دوسرے کی غمی خوشی میں شامل ہوتا ہے۔ پیار و محبت کے دیپ جلاتا ہے۔ اور یہ ہے بھی انسان کی بنیادی ضرورت۔ اب جبکہ ساری دنیا گلوبلائزیشن کی طرف بڑھ رہی ہے اور گلوبل ویلج (global village) کا روپ دھار رہی ہے اور نت نئی ایجادات کی وجہ سے ہم آپس میں بہت قریبی رابطہ میں رہتے ہیں، ہمیں حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اکٹھے رہ کر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کرنا سیکھیں۔ معاشرہ میں ایک انسان کی اکیلے کوئی حیثیت نہیں۔ اُسے ہر آن دوسرے انسان کی ضرورت رہتی ہے۔ کوئی گوشت بنانے والا ہے۔ کوئی جوتیاں درست کرنے والا ہے۔ کوئی پانی لا کر دینے والا ہے۔ دنیا میں جتنے بھی پیشے ہیں وہ جب تک ایک معاشرہ میں نہ ہوں مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں اور اس سے متعلقہ کام کو شہر یا دیہات سے باہر کسی دوسری جگہ سے کروانا پڑتا ہے۔ اسی طرح خاندان میں بھی انسان ایک دوسرے کا محتاج رہتا ہے۔ بسا اوقات اپنے ساتھی کی ہمدردی محسوس کرتا ہے۔ انسان کی اکیلے تو کوئی حیثیت نہیں۔ مخالف بھی بآسانی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ہم بچپن میں یہ کہانی سنا کرتے تھے کہ ایک بزرگ والد نے بچوں کو اکٹھا رہنے کا درس دینے کے لئے لکڑیوں کا گٹھا منگوایا اور بچوں سے اِسے توڑنے کو کہا مگر اکیلے بچے نے کیا توڑنا تھا وہ تمام بچے اجتماعی طور پر بھی اسے نہ توڑ پائے۔ پھر والد نے گٹھا کھول کو ایک ایک لکڑی اپنے بچوں کو دی اور ان میں ہر کوئی اکیلی اکیلی لکڑی کو توڑتا چلا گیا۔ اس پر والد نے اپنے بچوں کو سمجھایا کہ اگر اکٹھے رہیں گے تو آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ لیکن الگ الگ ہو کر آپ اتنے کمزور ہو جائیں گے کہ اس اکیلی لکڑی کی طرح ہر کوئی آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ اس لئے ہمیشہ اکٹھے رہنا خاندان کی مضبوطی کا باعث بنتا ہے۔

والدین کی وفات یا عدم موجودگی کی صورت میں چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کے بڑے بھائی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اور وہ اگر بیوی کے ساتھ الگ رہ رہے ہوں تو یہ یتیم اور مسکین بہن بھائی ضائع ہو جائیں گے۔ حضرت عطاءؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جب

حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ ایک محفل میں یہ بات بیان ہو رہی تھی کہ اگر گھر میں نوجوان بہن ہو تو اندر جاتے وقت اطلاع یا اجازت لینی ضروری ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے ابن عباس! میری دو چھوٹی بہنیں ہیں جو میری نگرانی میں ہیں میں انُ کے اخراجات کا ذمہ دار ہوں (غالباً والدین وفات پا چکے تھے) کیا ان کے پاس داخل ہوتے وقت بھی اطلاع و اجازت ضروری ہے۔ فرمایا ہاں ضروری ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ اپنی بہنوں کو برہنگی کی حالت میں دیکھو۔ (الادب المفرد)

حضرت ابو اسید الساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک دفعہ قبیلہ بنی سلمہ کا ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ یارسول اللہؐ! کیا کوئی ایسی نیکی ہے جو میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی وفات کے بعد کر سکوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں ان کے لئے رحمت، مغفرت اور بخشش کی دعا کرو۔ انہوں نے جو وعدے کسی سے کر رکھے تھے انہیں پورا کرو اور ان کی رضا اور خوشی کے لئے ان کے ملنے والے عزیز و اقارب اور دوستوں کی تعظیم و تکریم کرو۔ اور ان سے اُسی طرح صلہ رحمی کرو جس طرح تیرے والدین اپنی زندگی میں ان سے کیا کرتے تھے۔ (ابو داؤد کتاب الادب)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں:

"انسان کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ سے بہت ہی نیک سلوک کرے۔ تم میں سے جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ان کی خدمت کرے اور جس کا ایک یا دونوں وفات پا گئے ہیں وہ ان کے لئے دعا کرے۔ صدقہ دے اور خیرات کرے۔" (حقائق الفرقان جلد اول ص ۱۸۳)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک سفر کے دوران ایک بدو کو بہت عزت دی۔ اپنی سواری پر بٹھایا۔ اپنی پگڑی اُتار کر اس کے سر پر باندھی اور فرمایا اس کے والد، میرے والد حضرت عمرؓ کے دوست تھے اور میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صِلَۃُ الرَّجُلِ اَھْلُ وُدِّاَبِیْہِ (مسلم)

کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ کوئی اپنے والد کے دوستوں سے حسن سلوک کرے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''جو شخص قرابت داروں سے حسن سلوک نہیں کرتا۔وہ میری جماعت میں سے نہیں''۔

(کشتی نوح صفحہ ۱۷)

اپنی اسی معرکتہ الآراء کتاب میں احباب جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم مخلوقِ خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ کہ گویا ان کے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں''۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ماں باپ کے وقت میں تو ان کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کو دیکھ کر تم لوگ بھی ان رشتہ داروں سے حسن سلوک کر دیتے ہو۔وہ گھر میں آتے ہیں تو ہنس کر بات کرتے ہو، عزت سے سوال کرتے ہو، لیکن کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ماں باپ کے گزرنے کے بعد پھر ان کو بھول جاتے ہیں۔تو ان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔اور ایسے جلسہ کے موقع پر بھی مہمان آتے ہیں جو کسی زمانے میں ماں باپ کو بہت پیارے تھے اور عزیز تھے۔ان کی رشتہ داری تھی یا نہیں تھی مگر ان سے بہت حسن سلوک کیا کرتے تھے تو ان کے مرنے کے بعد جو نیکیاں ان کو پہنچائی جا سکتی ہیں، ان میں ان کے لئے عزت کے ساتھ اپنے گھر میں جگہ بنانی اور ان کے لئے ہر قسم کی آسائش کے سامان مہیا کرنے یہ بھی ایک بہت اہم نیکی ہے۔ساتھ ہی فرمایا ان کے دوستوں کی بھی عزت کرنی چاہئے۔صرف رشتہ داروں کے لئے نہیں بلکہ دوستوں کے لئے بھی''۔

(روزنامہ الفضل ۲/مئی ۲۰۰۰ء)

ہمارے موجودہ امام حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے اس مضمون بارے ان الفاظ میں جماعت کو نصیحت فرمائی ہے:

''ماں باپ سے حسن سلوک زندگی میں تو جو کرنا ہے وہ تو کرنا ہی ہے۔مرنے کے بعد بھی ان کے لئے دعائیں کرو، ان کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے علاوہ ان کے وعدوں کو

بھی پورا کرو، ان کے قرضوں کو بھی اتارو۔۔۔ یہاں تو یہ حکم ہے کہ صرف ان کے وعدوں کو ہی پورا نہیں کرنا بلکہ ان کے دوستوں کا بھی احترام کرنا ہے، ان کو بھی عزت دینی ہے اور ان کے ساتھ جو سلوک والدین کا تھا اس سلوک کو جاری رکھنا ہے''۔

(خطبہ جمعہ ۱۶/ جنوری ۲۰۰۴ء۔از روزنامہ الفضل ۸/جون ۲۰۰۴ء)

☆☆☆☆☆☆☆

''میری اہلیہ محترمہ کو ایک احمدی بہن نے بتایا کہ میری بیاہی ہوئی بیٹیاں جب آپس میں مل بیٹھتی ہیں تو ایک دوسرے سے اپنی اپنی ساس کی نیکیوں اور اُس کے حُسنِ سلوک کا ذکر مقابلۃً کرتی ہیں۔ ایک کہتی ہے کہ میری ساس تو اتنی اچھی ہے کہ وہ میرے ہر آرام کا خیال کرتی ہے تو دوسری فوراً بولتی ہے کہ نہیں نہیں میری ساس تو اس سے بھی زیادہ اچھی ہے اور وہ میرے ساتھ یہ یہ حُسنِ سلوک کرتی ہے۔

اے خُدا! ہر ساس کو ایسی ہی ساس بلکہ اس سے بہت اچھی ساس بنادے۔ آمین۔

(مصنّف)

باب سوم

اخلاقیات

اخلاقیات، جو اسلامی تعلیم کی بنیاد ہیں، کا عملی مظاہرہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں بہ نسبت اکیلے رہنے کے زیادہ نظر آتا ہے۔ اور اخلاقِ حسنہ جیسے حسین اور خوشبودار پھول کی خوشبو سے معاشرہ معطر ہونے لگتا ہے۔

ذیلی عناوین

- ☆ عیادت و تیمارداری
- ☆ خدمتِ خلق
- ☆ ایثار و قربانی
- ☆ صحبتِ صالحین
- ☆ ذاتی نمونہ
- ☆ السلام علیکم کا افشاء
- ☆ عفو و درگزر
- ☆ مسابقت کی رُوح
- ☆ مہمان نوازی
- ☆ جنریشن گیپ

یہ درست ہے کہ بعض لوگ مشترکہ خاندانی نظام کے مخالف ہیں اور اپنی تائید میں بہت سے دلائل بھی رکھتے ہیں۔اور سمجھتے ہیں کہ ایسے جھگڑے بالعموم وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں ابھی تک مشترکہ خاندان کا رواج چل رہا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو خاوند کو اپنی نئی بیاہی دلہن کو اپنا گھر بنا کر دینا چاہیے۔اگر یہ ممکن نہ ہو تو کرائے پر لے کر دے۔ کیونکہ چھوٹا سا الگ گھر کا تصور عورت کی ایک فطرتی خواہش ہے۔ جہاں وہ روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرے مگر ہو اپنا راج۔ جہاں وہ اپنی مرضی سے آئے جائے۔ دوسروں کی تنقید سے بچی رہے۔ایسے لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکا علیحدہ گھر میں رہتے ہوئے بھی اپنے والدین کی خدمت کر سکتا ہے۔ بلکہ زیادہ کر سکتا ہے۔اور بہو چونکہ الگ رہ رہی ہوگی۔ ساس سسر کا کوئی دباؤ بھی نہ ہوگا۔ ایسے حالات میں بہو کے دل میں بھی سسرال کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ایسے لوگوں کے اس فلسفہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سی ایسی برخوردار اولاد ہوتی ہوگی جو علیحدہ رہتے ہوئے بھی خدمت والدین کے حقوق کماحقہ' ادا کرتی ہے۔ اگر گھر کی معاشی حالت اجازت دیتی ہو یا بہو کی طرف سے الگ رہنے کا مطالبہ ہو جائے تو لڑکے والوں کو ضد سے کام نہ لیتے ہوئے یہ خیال لائے بغیر کہ گھر کا شیرازہ بکھر رہا ہے یا لوگ کیا کہیں گے، گھر کے سکون کی خاطر الگ کر دینا چاہیے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول (اللہ آپ سے راضی ہو) سورۃ النور کی آیت ۶۲ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْ بُیُوْتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآءِ کُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّھٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں لوگ اکثر اپنے گھر میں خصوصاً ساس بہو کی لڑائی کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید پر عمل کریں تو ایسا نہ ہو۔ دیکھو اس میں ارشاد ہے کہ گھر الگ الگ ہوں۔ ماں کا گھر الگ۔ اولاد شادی شدہ کا گھر الگ''۔ (حقائق الفرقان جلد سوئم صفحہ ۲۳۳)

مگر Combaind Family System کے حق میں بولنے والے دلائل دیتے وقت قرآن کریم کے اس اصول کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ "ہر چیز میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ اگر فوائد زیادہ ہیں تو انہیں اپنا لو۔ اگر نقصانات زیادہ ہیں تو ترک کر دو" اس اصول کے مطابق اگر Joint Family System کو دیکھا جائے تو فوائد، نقصانات کے مقابلہ پر بہرحال زیادہ ہیں۔

اخلاقیات، جو اسلامی تعلیم کی بنیاد ہیں، کا عملی مظاہرہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں بہ نسبت اکیلے رہنے کے زیادہ نظر آتا ہے۔ اور اخلاق حسنہ جیسے حسین اور خوشبودار پھول کی خوشبو سے معاشرہ معطر ہونے لگتا ہے۔ جہاں ہر وقت بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں کا خیال مدنظر رہتا ہے۔ کسی فرد خانہ کی بیماری کی صورت میں عیادت اور تیمارداری کے مواقع زیادہ میسر آتے ہیں۔ ایثار و قربانی کا مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ صحبت صالحین میسر آتی ہے۔ "السلام علیکم" کہنے کی برکتیں سمیٹنے کا زیادہ موقعہ ملتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس باب میں ایسے ہی چند اخلاق کے بارہ میں اسلامی تعلیم بیان کی جارہی ہے جو مشترکہ خاندانی نظام میں کثرت سے رواج پاتے ہیں۔

عیادت و تیمارداری:

یہ مذہبی فریضہ ہے۔ جس کی ابتدا اپنے عزیز و اقارب سے ہوتی ہے۔ احادیث میں اس کی بہت تاکید ملتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بیمار کی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو مرض الموت میں مبتلا تھا۔ آپؐ نے تیمادارى کرتے وقت بچے کو کلمہ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ جس سے وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مسلمان ہونے پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ (بخاری)

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ بندہ کہے گا اے پروردگار! تُو تو رب العالمین ہے۔ میں تیری عیادت کیسے کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھے علم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اسکی عیادت نہ کی۔ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے وہاں ضرور پاتا۔ (مسلم)

عیادت کے ثواب اور اس کے درجہ کا ذکر کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی صبح کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو شام تک فرشتے اُسکی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اگر وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اسکی مغفرت کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ (سنن ابو داؤد کتاب الجنائز)

اکٹھا رہنے کی صورت میں جب کبھی کوئی بیمار ہوتا ہے فوراً تیمارداری کا اجر شروع ہو جاتا ہے۔ عزیز و اقارب کی خدمت کا براہ راست موقعہ ملتا ہے اور یوں اسلام کی بہت سی دوسری تعلیمات پر عمل کرنے کا موقعہ میسر آتا ہے۔ علیحدہ رہنے کی صورت میں خاندان کے کسی فرد کی بیماری کی اطلاع پر فوری طور پر تیمارداری کرنے کا پروگرام بناتا ہے، جس میں بسا اوقات اپنی ذاتی مصروفیات آڑے آتی ہیں اور انسان سوچتا ہے اچھا شام کو ہو آئیں گے۔ اور یوں تیمارداری کے اجر کے حصول میں تاخیر ہوتی جاتی ہے۔

خدمت خلق:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے وہ شخص سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اور اُن کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے“۔

اسی ارشاد نبوی کو اگر مشترکہ خاندانی نظام کے حوالہ سے دیکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جتنا بڑا کنبہ ہوگا اور جتنے زیادہ افراد خانہ ہوں گے ان سے اچھے سلوک کرنے کے مواقع زیادہ نکلتے چلے

جائیں گے اور ایک دوسرے کی ضرورت کا اگر خیال رکھا جائے تو خدمت خلق زیادہ سے زیادہ ہوگی۔

ایثار و قربانی:

اکٹھا مل جل کر رہنے میں ایثار اور ایک دوسرے کے لئے قربانی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ''یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' کے قرآنی حکم پر بار بار عمل کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی ساری زندگی ایثار و قربانی سے عبارت تھی۔ آپؐ ایک دفعہ ایک سفر میں اونٹ پر سوار تھے۔ تھوڑا وقت اونٹ پر سفر کرنے کے بعد آپؐ سواری سے نیچے اتر آئے اور آپؐ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ جو آپؐ کے ہمراہ سفر میں تھے کو اونٹ پر بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت عقبہؓ پہلے تو ہچکچائے کہ نبی پاکؐ پیدل چلیں گے اور یہ بے ادبی و گستاخی ہوگی۔ ابھی آپ سوچ ہی رہے تھے کہ دوبارہ ارشاد ہوا اور آپؓ تعمیل ارشاد میں سواری پر سوار ہو گئے۔

جنگ یرموک میں ایثار کا ایک بہت اہم واقعہ ملتا ہے۔ جب حضرت سہیلؓ، حضرت عکرمہؓ اور حضرت حارثؓ زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ زخموں کی تکلیف کے علاوہ پیاس کی شدت نے اُنہیں بے حال کر رکھا تھا اور وہ پانی پانی پکار رہے تھے۔ ایک صحابیؓ پانی کی چھاگل لے کر حضرت عکرمہؓ کے پاس آئے مگر حضرت عکرمہؓ نے پانی پینے کی بجائے حضرت سہیلؓ کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ انہیں دیں۔ وہ صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں چھاگل لے کر جلدی سے حضرت سہیلؓ کے پاس آیا تو انہوں نے حضرت حارثؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلے اُنہیں پانی پلانے کو کہا۔ ابھی وہ حضرت حارثؓ کے پاس پہنچے ہی تھے کہ وہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ واپس حضرت سہیلؓ اور حضرت عکرمہؓ کی طرف بڑھے وہ بھی اس دنیا سے کوچ کر چکے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس بارہ میں اپنی تعلیم اور اپنا طریق یوں بیان فرمایا ہے:

''میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہے اور میں نماز میں مصروف ہوں۔

میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جائے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔ اپنے تو در کنار میں تو یہ کہتا ہوں کہ غیروں اور ہندوؤں کے ساتھ بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھاؤ اور اُن سے ہمدردی کرو۔ لااُبالی مزاج ہرگز نہیں ہونا چاہئے''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۰۵ جدید ایڈیشن)

آپ مزید فرماتے ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا ایمان ہرگز درست نہیں ہوسکتا جب تک اپنے آرام پر اپنے بھائی کا آرام حتی الوسع مقدم نہ ٹھہراوے۔ اگر میرا ایک بھائی میرے سامنے باوجود اپنے ضعف اور بیماری کے زمین پر سوتا ہے اور میں باوجود اپنی صحت اور تندرستی کے چارپائی پر قبضہ کرتا ہوں تا کہ وہ اس پر بیٹھ نہ جاوے تو میری حالت پر افسوس ہے اگر میں نہ اُٹھوں اور محبت اور ہمدردی کی راہ سے اپنی چارپائی اس کو نہ دوں اور اپنے لئے فرش زمین پسند نہ کروں۔ اگر میرا بھائی بیمار ہے اور کسی درد سے لاچار ہے تو میری حالت پر حیف ہے اگر میں اس کے مقابل پر امن سے سو رہوں اور اس کے لئے جہاں تک میرے بس میں ہے آرام رسانی کی تدبیر نہ کروں۔

(شہادۃ القرآن از روحانی خزائن جلد ششم صفحہ ۳۹۵-۳۹۶)

صحبت صالحین میسر آتی ہے:

خاندانی نظام میں صحبت صالحین بآسانی میسر آتی ہے۔ گھر میں بزرگ حضرات و خواتین کی صحبت بچے اختیار کرتے ہیں۔ پرانے وقتوں میں دادی اماں یا بے بے جی پاس بٹھا کر اچھی اچھی نصیحت آموز کہانیاں سنایا کرتی تھیں اور آج بچے اکیلے بیٹھے یا تو کمپیوٹر پر کھیلتے رہتے ہیں یا کیسٹس کے ذریعہ ڈراؤنی کہانیاں سنتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث

میں مومنوں کو صحبت صادقین اختیار کرنے کی متعدد بار تلقین فرمائی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اچھے انداز میں مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نشینی اور نیک ساتھی کی مثال عطر فروش جیسی ہے جس کے پاس بیٹھنے سے نقصان کوئی نہیں۔ اگر اس سے عطر کی خرید نہ بھی کی جائے تب بھی خوشبو ضرور مل جاتی ہے جبکہ لوہار کے پاس بیٹھنے سے اس کی بھٹی سے نکلنے والی چنگاریوں سے لازماً کپڑے برباد ہوں گے۔ حقیقت میں یہ ایک مسلّم قانون ہے۔ خوشبو خواہ وہ روحانی ہو یا مادی لازماً اپنا اثر چھوڑتی ہے۔ گلاب کے پودے کے اردگرد کی زمین پھول کی پتیاں گرنے سے خوشبودار ہو جاتی ہے۔ تو پھر نیک ساتھی سے اخلاق کیوں نہ چمکیں گے۔ ان کی زیارت سے تو خدا یاد آ جاتا ہے۔ خوف خدا اور تقویٰ دل میں پیدا ہوتا ہے۔

ذاتی نمونہ کا اظہار:

کمبائنڈ فیملی میں بڑوں کو چھوٹوں کے لئے ذاتی نمونہ دکھلانے کی توفیق الگ تھلگ گھر بسانے والوں کی نسبت زیادہ ملتی ہے۔ گھر میں چھوٹوں کی تعداد جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی بڑوں کو محتاط زندگی گزارنے کی توفیق ملے گی۔ اور یوں ان کی اپنی اصلاح کے بھی مواقع پیدا ہونگے۔ سو والدین کا، بزرگوں کا بچوں کے سامنے باکردار اور با خلاق زندگی کا نمونہ مشترکہ خاندانی نظام کا ایک بہت بڑا Advantage ہے۔ بڑے خود دین پر عامل ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ بچوں کو سکھاتے ہیں اس تعلیم کا عملی نمونہ بچوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ایسی باتوں اور اعمال سے بچتے ہیں جو بُرائی کے زُمرہ میں آتی ہیں۔

اسلامی معاشرہ میں ذاتی نمونہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کسی نے تربیت اولاد کے بارہ میں دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا۔ ذاتی نمونہ، ذاتی نمونہ اور ذاتی نمونہ۔ ایک بزرگ کے پاس ایک ماں اپنے بچے کو لائی اور کہا یہ بچہ میٹھا بہت کھاتا ہے۔ اسے کوئی نصیحت کریں۔ اُس بزرگ نے عورت سے کہا کہ بچے کو کل لے کر آئیں۔ اگلے دن

عورت جب بچے کو بزرگ کے پاس لائی تو بزرگ نے بچے کو مخاطب ہو کر صرف اتنا کہا کہ بیٹا گڑ نہ کھایا کرو۔ ماں بزرگ کا یہ فقرہ سن کر پریشان ہوئی اور بزرگ سے کہا۔ آپ یہ فقرہ کل بھی تو کہہ سکتے تھے۔ بزرگ نے جواباً کہا۔ اے بی بی! کل آپ کے آنے سے قبل میں خود گڑ کھا چکا تھا۔ اگر میں اس حال میں یہ نصیحت کرتا تو بچے پر اثر نہ ہوتا۔ آج میں نے گڑ کھانے سے پرہیز کیا ہے اور رات بھر اس بچے کے لئے دُعا کی بھی توفیق ملی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ۔ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دُعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اُسی قدر کوشش اس امر میں کرو.........وہ کام کرو جو اولاد کے لئے بہترین نمونہ اور سبق ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے اول خود اپنی اصلاح کرو۔ اگر تم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیز گار بن جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کو راضی کر لو گے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے گا۔'' (الحکم ۱۰/ نومبر ۱۹۰۵ء)

السلام علیکم کا افشاء:

سلام کے معنی سلامتی، امن، برکت اور رحمت کے ہیں اور اس نیک قول کو پھیلانے کا آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے تا معاشرہ ہر طرف سے سلامتی کی دُعاؤں سے بھر جائے اور کینہ، بغض اور حسد جیسی بیماریوں سے معاشرے کو نجات ملے اور مسلمان حقیقی معنوں میں ایک دوسرے کے خیر خواہ بن جائیں اور محبت و پیار سے ایک دوسرے سے پیش آئیں۔ اور اس جیسا معاشرہ قائم کرتے ہوئے سب سے پہلی عمل گاہ تو خاندان ہے اور خاندان جتنا بڑا ہوگا اس مبارک فعل کا مظاہرہ بھی وسیع ہوگا۔ جتنے زیادہ افراد ایک دوسرے کے لئے ''سلامتی'' کی دُعا کر رہے ہونگے، وہ خاندان تو دُعاؤں سے، برکتوں سے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے بھر جائے گا۔

عفوو درگزر کے مواقع:

اسلام کی تعلیم کا ایک اہم حصہ ایک دوسرے کی غلطیوں پر صرفِ نظر کرنا اور عفوو درگزر سے کام لینا ہے جس کے ایک بڑے خاندان میں زیادہ مواقع پیش آتے ہیں ۔زیادہ افراد ہونگے ۔اُن سے غلطیاں ہونگی ۔بڑے درگزر کریں گے ۔اگر جھگڑیں گے تو معاملہ فہمی کے بھی مواقع میسر آئیں گے ۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ۔نے فرمایا ہے کہ ''کوئی مسلمان دوسرے سے تین روز سے زیادہ قطع تعلق نہ کرے''۔اکٹھا اور مل جل کر رہنے میں جب بار بار آمنا سامنا ہوگا، میل ملاقات ہوگی تو رحم کے جذبات جوش ماریں گے اور جلد بھائی بھائی کو معاف کردے گا۔اور اگر یہ الگ تھلگ رہتے رہیں گے، ایک دوسرے سے شرم کے مارے ملیں گے نہیں، اور جتنا زیادہ عرصہ لڑائی جھگڑا پر گزرے گا دُوریاں بڑھتی جائیں گی ۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوسرے کے قصور معاف کردیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور عزت دیتا ہے۔اور کسی کے قصور معاف کردینے سے کوئی بے عزتی نہیں ہوتی۔ (مسند احمد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔کیونکہ شریر ہے وہ انسان کہ جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں۔وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔تم اپنی نفسانیت ہر ایک پہلو سے چھوڑ دو اور باہمی ناراضگی جانے دو۔اور سچے ہو کر جھوٹے کی طرح تذلل کرو۔تا تم بخشے جاؤ۔نفسانیت کی فربہی چھوڑ دو کہ جس دروازے کے لئے تم بلائے گئے ہو اس میں سے ایک فربہ انسان داخل نہیں ہوسکتا۔کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو ان باتوں کو نہیں مانتا جو خدا کے مُونہہ سے نکلیں اور میں نے بیان کیں۔تم اگر چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی۔تم میں سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ اپنے بھائی کے گناہ بخشتا ہے۔اور بدبخت ہے وہ جو ضد کرتا ہے اور نہیں بخشتا۔سو اس کا

مجھ میں حصہ نہیں"۔ (کشتی نوح از روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۱۲-۱۱۳)

مسابقت کی روح:

مشترکہ خاندانی نظام کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب چھوٹا ایک دوسرے کو نیکی، اخلاص، تقویٰ کے میدان میں قدم مارتا دیکھتا ہے تو ایسے فرد خانہ کا دل بھی وہ نیکی کرنے کو کرتا ہے جس پر وہ ابھی تک عمل پیرا نہیں تھا۔ افراد خانہ کا دائرہ جس قدر وسیع ہوگا اُسی قدر نیکی میں آگے بڑھنے کا مقابلہ سخت ہوگا۔ اور قرآن کریم کے ارشاد فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ پر عمل کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ ایک دفعہ غریب اور مفلس صحابہؓ کا گروہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! امیر صحابہؓ مالی استطاعت رکھنے کی وجہ سے مالی قربانی کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ہر نماز کے بعد ۳۳۔۳۳ دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو تو تمہیں بھی اُن امیر صحابہؓ کے برابر ثواب ملے گا۔

کچھ دنوں بعد ان غریب مہاجر صحابہؓ نے دوبارہ دربار نبویؐ میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ ہمارے دولتمند بھائیوں کو بھی اس بات کا علم ہو گیا ہے اور انہوں نے بھی اس ورد کو شروع کر دیا ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے"۔ (میں اس فضل کو کیسے روک سکتا ہوں)۔

مہمان نوازی اور تواضع کے مواقع:

بڑے گھرانہ میں زیادہ افراد خانہ ہونے کی وجہ سے مہمانوں کی آمد و رفت بھی الگ تھلگ رہنے والوں کی نسبت زیادہ ہوگی اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اسوہ کی اقتداء میں مہمان نوازی کی توفیق ملے گی اور ثواب کے مستحق ٹھہریں گے۔

ان کے علاوہ جن اخلاق پر قدم مارنے کی توفیق ملے گی، ان میں سے کچھ کا تذکرہ کتاب کے کسی نہ کسی حصہ میں آ چکا ہے۔ ان میں احترامِ آدمیت، بڑوں کی اطاعت، چھوٹوں سے

شفقت، کمزوروں پر رحم، الفت باہمی، عزیز رشتہ داروں سے صدق ووفا کے نمونے شامل ہیں۔اور درج ذیل میں کچھ ایسے مزید اخلاق کا ذکر کیا جا رہا ہے جن پر مشترکہ خاندان کے رواج میں Common Practice ہے۔

☆ اتحادواتفاق کا حسین اسلامی مظاہرہ

☆ عہدو پیمان کے زیادہ مواقع

☆ وقار عمل

☆ حِلم، بردباری، رأفت اور نرمی کا اظہار

☆ ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا

☆ بلند حوصلہ کا اظہار

☆ پردہ پوشی اور چشم پوشی

☆ زیادہ افراد ہوں گے تو غیبت کے مواقع کم ملیں گے۔تجسس اور عیب جوئی کم ہوگی

☆ غصہ پر قابو پانے کا اظہار

☆ مشکلات پر صبر

☆ ماتحتوں سے حسن سلوک

☆ اور سب سے بڑھ کر حقوق وفرائض کی تمیز اور اس کی ادائیگی۔

جنریشن گیپ:

ہمارے معاشرے کی روایات کے مطابق بچے اپنے بزرگوں کے پاس بیٹھتے تھے۔ زندگی کے تجربات سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔والدین، بزرگوں اور بچوں میں بے تکلفی کے ساتھ ادب وعزت کوملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔نوجوان آسانی سے اپنے مسائل بزرگوں کی زیرنگرانی حل کر لیتے تھے اور پرسکون ہوجاتے۔مگر اب اقدار بدلنے لگی ہیں۔وقت نے پانسا پلٹا ہے اور والدین بچوں سے اور بچے والدین سے دور رہنے لگے ہیں۔اس کی ایک وجہ والدین کی یا اولاد کی مصروفیت

ہے۔والدین Job سے تھکے ماندے گھر آتے ہیں۔بجائے بچوں میں بیٹھیں، حال احوال دریافت کریں، آپس میں تبادلہ خیالات کریں اور اپنے تجربات Share کریں، وہ آرام کرنے لگ جاتے ہیں۔یامہنگائی کے ہاتھوں مجبور کسی اور روزگار میں مصروف ہوجاتے ہیں۔اور ادھر اولاد کو جب والدین کی طرف سے توجہ نہیں ملتی وہ پڑھائی وغیرہ سے فارغ ہوکر کیبل، کمپیوٹرز اور انٹرنیٹ کے استعمال میں مصروف رہتے ہیں۔گھنٹوں گھنٹے دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر chating کرتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زمانے کی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنی مرضی سے فیصلوں کا اختیار ہے۔اور یوں ماں باپ اور اولاد میں ایک تفاوت، ایک خلیج پیدا ہورہی ہے جو اولاد کے لئے ذہنی الجھنوں کا باعث بھی بن رہی ہے۔اِسے آج کل کی اصطلاح میں Generation Gap کہاجاتا ہے، جو بہت ہی خطرناک اصطلاح ہے اور اسلامی معاشرہ ہرگز ایسے ماحول کی اجازت نہیں دیتا۔اس نسلی تفاوت کو ایک دوسرے کے لئے وقت نکال کر ختم کیا جاسکتا ہے۔والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود اپنے اہل خانہ اور بچوں کے لئے وقت ضرور نکالیں۔والدین اور اولاد میں ایک دوستی اور اعتماد کا رشتہ قائم کریں۔کہتے ہیں کہ جب بیٹے کے پاؤں میں باپ کی جوتی آنے لگے تو باپ بیٹے کو دوست بنالے اور پیار ومحبت کی فضا میں بچے کو پروان چڑھائے۔

مغربی ممالک میں جہاں لڑکا یا لڑکی ۱۸ برس کی عمر میں بااختیار ہوجاتے ہیں، الگ فلیٹ میں رہنے لگتے ہیں اور اپنے مستقبل کے بارہ میں فیصلے خود کرتے ہیں، وہاں بہت سی برائیوں نے جنم لیا ہے جن میں طلاق کی کثرت ہے۔اور جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں کہ اب وہ اس نظام سے بیزار نظر آتے ہیں۔حال ہی میں (جنوری ۲۰۰۴ء میں) امریکہ سے چند اسکالرز پر مشتمل ایک وفد نے پاکستان کا دورہ کیا۔اس وفد کے سربراہ ڈاکٹر کولین Dr. Kolleen M.Keyes، جو امریکہ میں ایک کالج کے Dean ہیں، نے ایک سیمینار میں ایک لیکچر دیا جس کا عنوان تھا:

Challenges to Institution Of Family In American Society

اس لیکچر میں ڈاکٹر صاحب موصوفہ نے امریکہ میں خاندانوں کے شیرازہ بکھرنے کے اسباب

بتائے، جن میں مذہب کی جگہ سیکولرزم، الیکٹرانک میڈیا و پرنٹ میڈیا، افراد خانہ کا آپس میں متواتر رابطہ نہ ہونا، مادیت پرستی، والدین کی بے پناہ مصروفیت اور مشینی انداز میں زندگی بسر کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اہل مغرب کو اس کمی کا احساس تو ہو رہا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی بہت بڑی چیز کھودی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین نوجوان نسل اپنے ماں باپ سے محبت ظاہر کرنے کے لئے مدر ڈے، فادر ڈے منانے کا اہتمام کرتی ہے۔ اب تو یہ دن پاکستان میں بھی منائے جانے کا رواج پا رہا ہے۔ اس روز بچے اپنے ماں باپ سے عقیدت اور محبت کے جذبات کا اظہار کرنے کے لئے تحائف اور پھول پیش کرتے ہیں۔ ابھی ۲۰ جون ۲۰۰۴ء کو یہ دن منایا گیا۔ گو اس دن کے منانے کا مقصد بھی یہی اعتراف تھا کہ والدین گھرانہ کے سربراہ ہیں۔ ۲۱ جون ۲۰۰۴ء کو روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد نے جب فادر ڈے منانے کی خبر شائع کی تو ساتھ لکھا کہ ''تفصیلات کے مطابق دُنیا کی تمام تہذیبوں اور مذاہب میں والدین کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے''۔ لیکن یہ دن تو ایک علامتی دن ہے۔ اسلام تو دل کی گہرائیوں سے ایک دوسرے کے لئے محبت کے چشمے پھوٹنے کی تلقین کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھیں گے پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور فرمانبرداری کے رنگ میں خدا و رسول کے فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے ورنہ اختیار ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے''۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۹۲ جدید ایڈیشن)

اب جبکہ مغرب کے اہل فکر اپنے تجربات کی بناء پر سوچنے پر مجبور ہیں، ہمیں ابھی سے اپنی منزل کا رستہ تبدیل کر کے اسی منزل کے راستہ کو لے لینا چاہیے جن پر ہمارے آباء و اجداد چلتے رہے۔ کامیاب قومیں دوسروں سے سبق سیکھ کر ٹھوکروں سے بچ جایا کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

بابِ چہارم

جیون ساتھی، ایک دوسرے کی آنکھوں کی ٹھنڈک

بحیثیت گھر کے سربراہ، مرد کی ذمہ داری ہے
کہ اپنے گھر کے ماحول پر نظر رکھے۔ اپنی
بیوی کے حقوق ادا کرے اور اپنے بچوں کے
بھی حقوق ادا کرے۔

ذیلی عناوین

☆ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

بمقام مسی ساگا، کینیڈا

بتاریخ ۲؍جولائی ۲۰۰۴ء

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا

مستورات سے خطاب بتاریخ ۳۱؍اگست

برموقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۰۴ء

کتاب کے اخیر میں ایک دفعہ پھر میاں بیوی کے تعلقات اور حقوق وفرائض پر اختصار سے قلم اُٹھایا جارہا ہے کیونکہ جب تک میاں بیوی کے آپس کے تعلقات مثالی نہ ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ پیار ومحبت کے رشتے استوار نہ ہوں، ایک دوسرے کا خیال رکھنے والے نہ ہوں، ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کما حقہٗ نہ کرتے ہوں تب تک معاشرے میں، خاندان میں وہ حُسن اور نکھار آنہیں سکتا جو آقا و مولیٰ سیّدنا حضرت محمد مصطفٰیؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن واحادیث کی روشنی میں ہمارے لئے مشعلِ راہ چھوڑی ہیں، خواہ بزرگ حضرات خاندان کو جنت کا نمونہ بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کررہے ہوں۔ اس لئے میاں بیوی کے حقوق وفرائض کے بارے میں اسلامی تعلیم بطور خلاصہ یہاں پیش کی جارہی ہے۔ گو اس کا تفصیلی ذکر خاکسار کی تصنیف 'لباس' میں ہو چکا ہے، لیکن اس کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ ہمارے امام ہمام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے حالیہ دورہ کینیڈا کے دوران انٹرنیشنل سینٹر مسی ساگا میں ۲/جولائی ۲۰۰۴ء کو اسی موضوع پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بعدازاں جماعت احمدیہ برطانیہ کے 38ویں جلسہ سالانہ پر مستورات سے خطاب میں بھی اِسی موضوع کا چناؤ فرمایا، جن کا کچھ حصہ اِسی باب کی زینت بنایا جارہا ہے تا امام ہمام ایدہ اللہ کی زبانی یہ اہم پیغام قارئین کتاب تک پہنچ جائے۔ وباللہِ التوفیق۔

خطبہ جمعہ بمقام کینیڈا، مؤرخہ ۲/جولائی ۲۰۰۴ء:

فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مرد کے قویٰ کو جسمانی لحاظ سے مضبوط بنایا ہے اس لئے اس کی ذمہ داریاں اور فرائض بھی عورت سے زیادہ ہیں۔ اس سے ادائیگی حقوق کی زیادہ توقع کی جاتی ہے۔

عبادات میں بھی اس کو عورت کی نسبت زیادہ مواقع مہیا کئے گئے ہیں۔ اور اس لئے اس کو گھر کے سربراہ کی حیثیت بھی حاصل ہے اور اسی وجہ سے اس پر بحیثیت خاوند بھی بعض اہم ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے بحیثیت باپ اس پر ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ اور بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، چند ایک کا میں یہاں ذکر کروں گا۔ اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے حکم دیا کہ تم نیکیوں پر قائم ہو، تقویٰ پر قائم ہو، اور اپنے گھر والوں کو، اپنی بیویوں کو، اپنی اولاد کو تقویٰ پر قائم رکھنے کے لئے نمونہ بنو۔ اور اس کے لئے اپنے رب سے دعا مانگو، اس کے آگے روؤ، گڑگڑاؤ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! ان راستوں پر ہمیشہ چلاتا رہ جو تیری رضا کے راستے ہیں، کبھی ایسا وقت نہ آئے کہ ہم بحیثیت گھر کے سربراہ کے، ایک خاوند کے اور ایک باپ کے، اپنے حقوق ادا نہ کر سکیں اور اس وجہ سے تیری ناراضگی کا موجب بنیں۔ تو جب انسان سچے دل سے یہ دعا مانگے اور اپنے عمل سے بھی اس معیار کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ نہ ایسے گھروں کو برباد کرتا ہے، نہ ایسے خاوندوں کی بیویاں اُن کے لئے دُکھ کا باعث بنتی ہیں اور نہ اُن کی اولاد اُن کی بدنامی کا موجب بنتی ہے۔ اور اس طرح گھر جنت کا نظارہ پیش کر رہا ہوتا ہے۔

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ معیار حاصل کرنے لئے کیا نمونے دیئے ہیں اور کیا نصائح فرمائی ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں میں اس وقت یہاں پیش کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ امام نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اور مرد اپنے اہل پر نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی

فرمایا تھا کہ مرد اپنے والد کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔۔۔۔۔اور فرمایا تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (بخاری کتاب الجمعة)

تو اس روایت میں مختلف طبقوں کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ اپنے اپنے ماحول میں نگران ہیں لیکن اس وقت مَیں کیونکہ مَردوں کے بارے میں ذکر کر رہا ہوں اس لئے اس بارے میں تھوڑی سی وضاحت کر دوں۔ عموماً اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ مرد کہتے ہیں کیونکہ ہم پر باہر کی ذمہ داریاں ہیں، ہم کیونکہ اپنے کاروبار میں اپنی ملازمتوں میں مصروف ہیں اس لئے گھر کی طرف توجہ نہیں دے سکتے اور بچوں کی نگرانی کی ساری ذمہ داری عورت کا کام ہے۔ تو یاد رکھیں کہ بحیثیت گھر کے سربراہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر کے ماحول پر بھی نظر رکھے، اپنی بیوی کے بھی حقوق ادا کرے اور اپنے بچوں کے بھی حقوق ادا کرے، انہیں بھی وقت دے۔ ان کے ساتھ بھی کچھ وقت صرف کرے چاہے ہفتہ کے دو دن ہی ہوں، ویک اینڈز پر جو ہوتے ہیں۔ انہیں (بیت الذکر) سے جوڑے، انہیں جماعتی پروگراموں میں لائے، ان کے ساتھ تفریحی پروگرام بنائے، ان کی دلچسپیوں میں حصہ لے تا کہ وہ اپنے مسائل ایک دوست کی طرح آپ کے ساتھ بانٹ سکیں۔ بیوی سے اس کے مسائل اور بچوں کے مسائل کے بارے میں پوچھیں۔ ان کے حل کرنے کی کوشش کریں۔ پھر ایک سربراہ کی حیثیت آپ کو مل سکتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی جگہ کے سربراہ کو اگر اپنے دائرہ اختیار میں رہنے والوں کے مسائل کا علم نہیں تو وہ تو کامیاب سربراہ نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے بہترین نگران وہی ہے جو اپنے ماحول کے مسائل کو بھی جانتا ہو۔ یہ قابل فکر بات ہے کہ آہستہ آہستہ ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو اپنی ذمہ داریوں سے اپنی نگرانی کے دائرے سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں یا آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اور اپنی دنیا میں مست رہ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو مومن کو، ایک احمدی کو ان باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کے لئے تو یہ حکم ہے کہ دنیا داری کی باتیں تو الگ رہیں، دین کی خاطر

بھی اگر تمہاری مصروفیات ایسی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے تم نے مستقلاً اپنا یہ معمول بنالیا ہے، یہ روٹین بنالی ہے کہ اپنے گردوپیش کی خبر ہی نہیں رکھتے، اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، اپنے ملنے والوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، اپنے معاشرے کی ذمہ داریاں نہیں نبھاتے تو یہ بھی غلط ہے۔ اس طرح تقویٰ کے اعلیٰ معیار قائم نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ معیار حاصل کرنے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرو اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرو۔

جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن عاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عبداللہ! جو مجھے بتایا گیا ہے کیا یہ درست ہے کہ تم دن بھر روزے رکھے رہتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو یعنی نمازیں پڑھتے رہتے ہو؟ اس پر میں نے عرض کی ہاں یارسول اللہؐ۔ تو پھر آپؐ نے فرمایا! ایسا نہ کرو۔ کبھی روزہ رکھو کبھی چھوڑ دو، رات کو قیام کرو اور سو بھی جایا کرو۔ کیونکہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری زیارت کو آنے والے کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری کتاب الصوم)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے سربراہ کے حیثیت سے گھر والوں کے حقوق کس طرح ادا کیا کرتے تھے اس بارے میں حضرت اسودؓ کی روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر پر کیا کیا کرتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا وہ اپنے اہلِ خانہ کی خدمت میں لگے رہتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان)

تو آپؐ سے زیادہ مصروف اور آپؐ سے زیادہ عبادت گزار کون ہوسکتا ہے۔ لیکن دیکھیں آپؐ کا اسوہ کیا ہے کتنی زیادہ گھریلو معاملات میں دلچسپی ہے کہ گھر کے کام کاج بھی کر رہے ہیں اور دوسری مصروفیات میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ ''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک میں بہتر ہے''۔ اور فرمایا کہ ''میں

تم سے بڑھ کر اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے والا ہوں''۔ (ترمذی کتاب المناقب)

ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اس خوبصورت نمونہ پر، اس اسوہ پر عمل کرتے ہیں؟ بعض ایسی شکایات بھی آتی ہیں کہ ایک شخص گھر میں کرسی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے، پیاس لگی تو بیوی کو آواز دی کہ فریج میں سے پانی یا جوس نکال کر مجھے پلا دو۔ حالانکہ قریب ہی فریج پڑا ہوا ہے خود نکال کر پی سکتے ہیں۔ اور اگر بیوی بیچاری اپنے کام کی وجہ سے یا مصروفیت کی وجہ سے یا کسی وجہ سے لیٹ ہوگئی تو پھر اس پر گرجنا، برسنا شروع کر دیا۔ تو ایک طرف تو یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور دوسری طرف عمل کیا ہے، ادنیٰ سے اخلاق کا بھی مظاہرہ نہیں کرتے۔ اور کئی ایسی مثالیں آتی ہیں جو پوچھو تو جواب ہوتا ہے کہ ہمیں تو قرآن میں اجازت ہے عورت کو سرزنش کرنے کی۔ تو واضح ہو کہ قرآن میں اس طرح کی کوئی ایسی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح آپ اپنی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے قرآن کو بدنام نہ کریں۔

گھریلو زندگی کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گواہی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ نرم خُو تھے اور سب سے زیادہ کریم، عام آدمیوں کی طرح بلا تکلف گھر میں رہنے والے، آپؐ نے کبھی تیوری نہیں چڑھائی، ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ نیز آپؓ فرماتی ہیں کہ اپنی ساری زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی بیوی پر ہاتھ اُٹھایا نہ کبھی خادم کو مارا''۔ خادم کو بھی کبھی کچھ نہیں کہا۔ (شمائل ترمذی)

آج کل دیکھیں ذرا ذرا سی بات پر عورت پر ہاتھ اُٹھالیا جاتا ہے حالانکہ جہاں عورت کو سزا کی اجازت ہے وہاں بہت سی شرائط ہیں اپنی مرضی کی اجازت نہیں ہے۔ چند شرائط ہیں ان کے ساتھ یہ اجازت ہے۔ اور شاید ہی کوئی احمدی عورت اس حد تک ہو کہ جہاں اس سزا کی ضرورت پڑے۔ اس لئے بہانے تلاش کرنے کی بجائے مرد اپنی ذمہ داریاں سمجھیں اور عورتوں کے حقوق ادا کریں جیسے کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾۔(سورۃ النساء : 35) یعنی مرد عورتوں پر نگران ہیں اس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر بخشی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے اموال اُن پر خرچ کرتے ہیں۔ (جو نکھٹو گھر بیٹھے رہتے ہیں وہ تو ویسے ہی نگران نہیں بنتے) پس نیک عورتیں فرمانبردار اور غیب میں بھی ان چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں جن کی حفاظت کی اللہ نے تاکید کی ہے۔ اور وہ عورتیں جن سے تمہیں باغیانہ رویے کا خوف ہو تو ان کو پہلے تو نصیحت کرو (اس میں بے حیائی نہیں ہے ایسی باتیں جو ہمسایوں میں کسی بدنامی کا موجب بن رہی ہوں، بعض ایسی حرکتیں ہوتی ہیں) تو پہلے ان کو نصیحت کرو، پھر ان کو بستروں میں الگ چھوڑ دو اور پھر اگر ضرورت ہو تو ان کو بدنی سزا بھی دو اور پھر فرمایا پس اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے خلاف کوئی حجت یا بہانے تلاش نہ کرو۔ یقیناً اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے، تو فرمایا کہ اس انتہائی باغیانہ رویّے سے عورت اپنی اصلاح کر لے تو پھر بلاوجہ اسے سزا دینے کے بہانے تلاش نہ کرو۔ یاد رکھو کہ اگر تم تقویٰ سے خالی ہو کر ایسی حرکتیں کرو گے اور اپنے آپ کو سب کچھ سمجھ رہے ہو گے اور عورت کی تمہارے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو یاد رکھو کہ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے تمہاری پکڑ بھی کر سکتی ہے۔ اس لئے جو درجے سزا کے مقرر کئے گئے ہیں ان کے مطابق عمل کرو اور جب اصلاح کا کوئی پہلو نہ دیکھو، اگر ایسی عورت کا بدستور وہی رویّہ ہے تو پھر سزا کا حکم ہے۔ یہ نہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر اُٹھے اور ہاتھ اُٹھا لیا یا سوٹی اُٹھا لی۔ اور اتنے ظالم بھی نہ بنو کہ بہانے تلاش کر کے ایک شریف عورت کو اس باغیانہ روش کے زُمرے میں لے آؤ اور پھر اسے سزا دینے لگو۔ ایسے مرد یاد رکھیں کہ خدا کا قائم کردہ نظام بھی یعنی نظام جماعت بھی، اگر نظام کے علم میں یہ بات آ جائے تو ایسے لوگوں کو ضرور سزا دیتا ہے۔ خدا کے لئے قرآن کو بدنام نہ کریں اور اپنی اصلاح کی کوشش کریں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''ہمارے ہادیٔ کامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس کا اپنے اہل کے ساتھ عمدہ سلوک ہو۔ بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور معاشرت اچھی نہیں وہ نیک کہاں۔ دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کر سکتا ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو''۔ جو باہر بظاہر نیک نظر آتے ہیں ان میں بھی کئی خامیاں ہوتی ہیں۔ جو بیویوں کے ساتھ یا گھر والوں کے ساتھ نیک سلوک نہیں کر رہے۔ اس لئے معاشرے کو بھی ایسے لوگوں پر غور کرنا چاہئے۔ ظاہری چیز پر نہ جائیں۔ فرمایا کہ ''جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو، نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک غصے سے بھرا ہوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی بات پر ناراض ہو کر اس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگی ہے اور بیوی مرگئی ہے۔ اس لئے ان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ﴿عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ہاں اگر وہ بے جا کام کرے تو تنبیہ ضروری چیز ہے''۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ ۴۰۳۔۴۰۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے میں خوبیاں تلاش کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو دوسرے میں عیب نظر آتا ہے یا اس کی کوئی اور ادا ناپسند ہے تو کئی باتیں اس کی پسند بھی ہوں گی جو اچھی بھی لگیں گی۔ تو وہ پسندیدہ باتیں جو ہیں اُن کو مدنظر رکھ کر ایثار کا پہلو اختیار کرتے ہوئے موافقت کی فضا پیدا کرنی چاہئے۔ آپس میں صلح وصفائی کی فضا پیدا کرنی چاہئے۔ تو یہ میاں بیوی دونوں کو نصیحت ہے کہ اگر دونوں ہی اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھیں تو چھوٹی چھوٹی جو ہر وقت گھروں میں لڑائیاں، چخ چخ ہوتی رہتی ہیں، وہ نہ ہوں اور بچے بھی برباد نہ ہوں۔ ذرا ذرا سی بات پر معاملات بعض دفعہ اس قدر تکلیف دہ صورتِ حال اختیار کر جاتے ہیں کہ انسان سوچ کر پریشان ہو جاتا ہے کہ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں جو کہنے کو تو انسان ہیں مگر جانوروں سے بھی بدتر۔ (مسلم کتاب الرضاع)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً پندرہ سال کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے موقع پہ جو گواہی دی، جب وحی ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان تھے کہ کیا ہوگیا، تو حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا کہ ''بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک فرماتے ہیں۔ اور غریبوں ناداروں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں اور معدوم ہوجانے والی نیکیوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ (یعنی جو نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اُن کو دوبارہ زندہ کرنے والے ہیں) اور سچ بولنے کے نتیجے میں پیش آنے والی مشکلات کے باوجود حق کے ہی معین و مددگار ہیں۔ (یعنی سچی بات ہی کہتے ہیں) اور مہمان نواز بھی ہیں''۔ (بخاری بدء الوحی)

تو ایک انسان میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں خاص طور پر ایک مرد میں جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے جس سے پاک معاشرہ وجود میں آسکتا ہے وہ یہی ہے جن کا ذکر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے خُلق کے ضمن میں فرمایا کہ صلہ رحمی اور حسنِ سلوک، رشتہ داروں کا خیال، ان کی ضروریات کا خیال، ان کی تکالیف کو دور کرنے کی کوشش۔ اب صلہ رحمی بھی بڑا وسیع لفظ ہے۔ اس میں بیوی کے رشتہ داروں کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے اپنے رشتے داروں کے ہیں۔ ان سے بھی صلہ رحمی اتنی ہی ضروری ہے جتنی اپنوں سے۔ اگر یہ عادت پیدا ہو جائے اور دونوں طرف سے صلہ رحمی کے یہ نمونے قائم ہو جائیں تو پھر کیا کبھی اس گھر میں تُو تکار ہوسکتی ہے؟ کوئی لڑائی جھگڑا ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ کیونکہ اکثر جھگڑے ہی اس بات سے ہوتے ہیں کہ ذرا سی بات ہوئی یا ماں باپ کی طرف سے کوئی رنجش پیدا ہوئی یا کسی کی ماں نے یا کسی کے باپ نے کوئی بات کہہ دی اور کسی کو بری لگی تو فوراً ناراض ہوگیا کہ میں تمہاری ماں سے بات نہیں کروں گا، میں تمہارے باپ سے بات نہیں کروں گا۔ میں تمہارے بھائی سے بات نہیں کروں گا۔ پھر الزام تراشیاں کہ وہ یہ ہیں اور وہ ہیں تو یہ زود رنجیاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر، یہی پھر بڑے جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہیں۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر اپنی بیویوں کے رشتہ داروں سے اور ان کی سہیلیوں سے حسنِ سلوک فرمایا کرتے تھے۔ بے شمار مثالوں میں سے ایک یہاں دیتا ہوں۔

راوی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ کی آواز کان میں پڑتے ہی کھڑے ہو کر اُن کا استقبال کرتے اور خوش ہو کر فرماتے کہ یہ تو خدیجہؓ کی بہن ہالہ آئی ہے۔ اور آپ کا یہ دستور تھا کہ گھر میں کبھی کوئی جانور ذبح ہوتا تو اس کا گوشت حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں میں بھجوانے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل)

لیکن یہاں تھوڑی سی وضاحت بھی کردوں اس کی تشریح میں۔ بعض باتیں سامنے آتی ہیں جن کی وجہ سے وضاحت کرنی پڑ رہی ہے۔ کیونکہ معاشرے میں عورتیں اور مرد زیادہ مکس اپ (mixup) ہونے لگ گئے ہیں۔ اس سے کوئی یہ مطلب نہ لے لے کہ عورتوں کی مجلسوں میں بھی بیٹھنے کی اجازت مل گئی ہے اور بیویوں کی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھنے کی بھی کھلی چھٹی مل گئی ہے۔ خیال رکھنا بالکل اور چیز ہے اور بیوی کی سہیلیوں کے ساتھ دوستانہ کر لینا بالکل اور چیز ہے۔ اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ پھر بیوی ایک طرف رہ جاتی ہے اور سہیلی جو ہے وہ بیوی کا مقام حاصل کر لیتی ہے۔ مرد تو پھر اپنی دنیا بسا لیتا ہے۔ لیکن وہ پہلی بیوی بیچاری روتی رہتی ہے۔ اور یہ حرکت سراسر ظلم ہے اور اس قسم کی اجازت اسلام نے قطعاً نہیں دی۔ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں شادی کرنے کی اجازت ہے۔ یہاں ان معاشروں میں خاص طور پر احتیاط کرنی چاہئے۔ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، اُس بیوی کا بھی خیال رکھیں جس نے ایک لمبا عرصہ تنگی تُرشی میں آپ کے ساتھ گزارا ہے۔ آج یہاں پہنچ کر اگر حالات ٹھیک ہو گئے ہیں تو اس کو دھتکار دیں، یہ کسی طرح بھی انصاف نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ایک دفعہ آپؐ کو کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! خدا نے آپؐ کو اس قدر اچھی اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں۔ اب اس بڑھیا (یعنی حضرت خدیجہؓ) کا ذکر جانے بھی دیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں نہیں۔ خدیجہ اس وقت میری ساتھی بنی جب میں تنہا

تھا۔ وہ اس وقت میری سپر بنی جب میں بے یارومددگار تھا۔ وہ اپنے مال کے ساتھ مجھ پر فدا ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے مجھے اولاد بھی عطا کی۔ انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد نمبر٦ صفحہ ١١٨)

تو یہ ہے اسوۂ حسنہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے اور ایسے معاملات سن کر بڑی تکلیف ہوتی ہے، طبیعت بعض دفعہ بے چین ہوجاتی ہے کہ ہم میں سے بعض کس طرف چل پڑے ہیں۔ بیوی کی ساری قربانیاں بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض تو اس حد تک کمینگی پر آتے ہیں کہ بیوی سے رقم لے کر اس پر دباؤ ڈال کر اس کے ماں باپ سے رقم وصول کر کے کاروبار کرتے ہیں یا زبردستی بیوی کے پیسوں سے خریدے ہوئے مکان میں اپنا حصہ ڈال لیتے ہیں اور پھر اس کو مستقل دھمکیاں ہوتی ہیں اور بعض دفعہ تو حیرت ہوتی ہے کہ اچھے بھلے شریف خاندانوں کے لڑکے بھی ایسی حرکتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کچھ خوفِ خدا کریں اور اپنی اصلاح کریں۔۔۔۔۔

حضرت عائشہؓ ایک روایت بیان کرتی ہیں کہ اگر آپؐ رات کو دیر سے گھر لوٹتے تو کسی کو زحمت دیئے یا جگائے بغیر خود ہی کھانا لے کر تناول فرمالیتے یا دودھ ہوتا تو خود ہی لے کر نوش فرمالیتے۔ (مسلم کتاب الاشربہ)

یہ اسوہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ لیکن بعض مثالیں ایسی سامنے آتی ہیں عموماً اب یہ ہوتا ہے کہ مرد لیٹ کام سے واپس آتے ہیں اور یہ روز کا معمول ہے اور اگر بیوی کسی دن طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پہلے کھانا کھالے تو ایک قیامت برپا ہوجاتی ہے۔ موڈ بگڑ جاتے ہیں کہ تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔ ہمارے معاشرے میں پاکستانی، ہندوستانی اس مشرقی معاشرے میں یہ بات زیادہ پیدا ہوتی جارہی ہے۔ پہلے بھی تھی لیکن پڑھے لکھے ہونے کے ساتھ ساتھ ختم ہونی چاہئے تھی۔ اس کی بھی اصلاح کرنی چاہئے۔ اور 'زیادہ' سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دو فیصد بھی ہمارے اندر ہے تب بھی قابلِ فکر ہے، بڑھ سکتی ہے۔ پھر اس وجہ سے خاوند تو جو ناراض ہوتا ہے بیوی

سے تو ہوتا ہے، ساس سسر بھی ناراض ہو جاتے ہیں، اپنی بہو سے۔ کہ تم نے کیوں انتظار نہیں کیا۔

پھر ایک روایت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی حضرت صفیہؓ تھیں جو رسول اللہؐ کے شدید معاند اور یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیئی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جنگِ خیبر سے واپسی پر آپؐ نے اونٹ پر حضرت صفیہؓ کے لئے خود جگہ بنائی۔ آپؐ نے جو عبا زیب تن کر رکھا تھا اسے اتار کر اور تہہ کر کے حضرت صفیہؓ کے بیٹھنے کی جگہ پر بچھا دیا۔ پھر ان کو سوار کرتے ہوئے آپؐ نے اپنا گھٹنا ان کے آگے جھکا دیا اور فرمایا کہ اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔

(بخاری کتاب المغازی)

تو دیکھیں کس طرح آپؐ نے بیوی کا خیال رکھا۔ یہ نمونے آپؐ نے ہمیں عمل کرنے کے لئے دیئے ہیں۔ آج کل بعض لوگ صرف اس خیال سے بیویوں کا خیال نہیں رکھتے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ بیوی کا غلام ہو گیا ہے۔ بلکہ حیرت ہوتی ہے بعض لڑکوں کے، مردوں کے بڑے بزرگ رشتہ دار بھی بچوں کو کہہ دیتے ہیں کہ بیوی کے غلام نہ بنو۔ بجائے اس کے کہ آپس میں ان کی محبت اور سلوک میں اضافہ کرنے کا باعث بنیں۔ اپنے لئے کچھ اور پسند کر رہے ہوتے ہیں، دوسروں کے لئے کچھ اور پسند کر رہے ہوتے ہیں۔

پھر ایک روایت میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نمونہ گھریلو زندگی میں ہے، ہر لحاظ سے مثالی اور بہترین تھا۔ آپؐ اپنے اہل خانہ کے نان ونفقہ کا بطور خاص اہتمام فرماتے تھے۔ یعنی جو ان کے اخراجات ہیں ان کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی وفات کے وقت بھی ازواج مطہرات کے نان ونفقہ کے بارے میں تاکیدی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا خرچہ ان کو باقاعدگی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ (بخاری کتاب الوصایا)

اس بات سے وہ مرد جو عورتوں کے مال پر نظر رکھے رہتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ذمہ داری ان کی ہے اور عورت کی رقم پر ان کا کوئی حق نہیں۔ اپنے بیوی بچوں کے خرچ پورے کرنے کے وہ مرد خود ذمہ دار ہیں۔ اس لئے جو بھی حالات ہوں چاہے مزدوری کر کے اپنے گھر

کے خرچ پورے کرنے پڑیں ان کا فرض ہے کہ وہ گھر کے خرچ پورے کریں۔ اور اس محنت کے ساتھ اگر دعا بھی کریں تو پھر اللہ تعالیٰ برکت بھی ڈالتا ہے اور کشائش بھی پیدا فرماتا ہے۔

ایک روایت ہے حضرت سلمان بن اعوصؓ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ موجود تھے۔ اس موقع پر آپؐ نے حمد وثناء کے بعد وعظ ونصیحت فرمائی اور فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں ہمیشہ بھلائی کے لئے کوشاں رہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ قیدیوں کی طرح بندھی ہوئی ہیں۔ تم ان پر کوئی حق ملکیت نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ وہ کھلی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں (یعنی تمہارا حق ملکیت نہیں کہ جب چاہو مارنا شروع کردو، جب چاہو جو مرضی سلوک کرلو، سوائے اس کے کہ وہ بے حیائی کی مرتکب ہوں) اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کے کپڑوں اور کھانے کا بہترین خیال رکھو۔

(ترمذی کتاب الرضاع)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں۔ آپؐ کی زندگی میں دیکھو کہ آپؐ عورتوں کے ساتھ کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا مطالعہ کرو تمہیں معلوم ہو کہ آپؐ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپؐ بڑے بارعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپؐ کو کھڑا کرتی تھی تو آپؐ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔

(ملفوظات جلد نمبر ۴ صفحہ ۴۴ جدید ایڈیشن)

پھر ایک روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے بھلائی سے پیش آیا کرو۔ عورت یقیناً پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی کے اوپر کے حصہ میں زیادہ کجی ہوتی ہے اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ دوگے۔ اور تم اسے چھوڑ دوگے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس تم اس سے بھلائی ہی سے پیش آیا کرو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عورت پسلی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ دو گے اور اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو تم اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ (بخاری کتاب الانبیاء)

اب پسلی کا زاویہ یا گولائی جو بھی ہے وہی اس کی مضبوطی ہے۔ اور انتہائی نازک حصہ بھی کسی جاندار کا اس کے حصار میں ہے۔ یعنی دل اور بعض دوسری چیزیں بھی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق سے انسان نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے دیکھ لیں عمارتوں اور پلوں میں جہاں زیادہ مضبوطی دینی ہو، اسی طرح گولائی دی جاتی ہے۔ تو فرمایا کہ عورت کا جو مضبوط کردار ہے اس سے اگر فائدہ اٹھانا ہے تو اس کو زیادہ اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہ کرو ورنہ فائدہ تو کیا وہ تمہارے کسی کام کی بھی نہیں رہے گی۔ لیکن یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ عورت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کا مادہ بہت زیادہ رکھا ہے۔ اگر خود نمونہ بن کر اس سے نیکی سے پیش آؤ گے تو وہ خود اپنے آپ کو تمہاری خواہشات پر قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے گی۔ اس لئے اس سے زیادہ فائدہ سختی سے نہیں بلکہ پیار و محبت سے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ ”یہ طریق اچھا نہیں اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو۔ خُذُوا الرِّفقَ، خُذُوا الرِّفقَ، فَاِنَّ الرِّفقَ رَأسُ الْخَیرَاتِ۔ کہ نرمی کرو نرمی کرو کہ تمام نیکیوں کا سر نرمی ہے“۔......... فرمایا کہ ”حتی المقدور پہلا فرض مومن کا ہر ایک کے ساتھ نرمی حسن اخلاق ہے اور بعض اوقات تلخ الفاظ کا استعمال بطور تلخ دوا کے جائز ہے“۔ (اربعین نمبر ۳ از روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۲۶ حاشیہ)

اس الہام پر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاشیہ رقم فرمایا ہے اس میں آپؑ تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس الہام میں تمام جماعت کے لئے تعلیم ہے کہ اپنی بیویوں سے رفق اور نرمی کے ساتھ پیش آویں۔ وہ ان کی کنیزیں نہیں ہیں۔ درحقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔ پس کوشش کرو کہ اپنے معاہدے میں دغاباز نہ ٹھہرو۔ اللہ تعالیٰ قرآن

شریف میں فرماتا ہے ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ اور حدیث میں ہے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ سو روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ ان کے لئے دعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو۔ کیونکہ نہایت بد، خُدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو گندے برتن کی طرح مت توڑو۔

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ از روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۷۵ حاشیہ۔ وتذکرہ صفحہ ۳۹۶، ۳۹۷)

پھر فرمایا ”اسی طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بہک گئے ہیں“۔ سیدھے رستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ”قرآن شریف میں لکھا ہے کہ ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے“۔ فرمایا کہ ”دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے“۔ (یعنی بے حیائی کرنے کی کھلی چھٹی دے دی ہے) ”دین کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اور وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور کنیزوں اور بہائم (یعنی جانوروں) سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے۔ مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں۔ غرض بہت ہی بری طرح سلوک کرتے ہیں۔ یہاں کے پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اتار دی اور دوسری پہن لی۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں میں کامل نمونہ ہیں۔ آپؐ کی زندگی دیکھو کہ آپؐ عورتوں سے کیسی معاشرت کرتے تھے۔ میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے“۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ ۳۸۷، ۳۸۸ جدید ایڈیشن)

بعض دفعہ گھروں میں چھوٹی موٹی چپقلشیں ہوتی ہیں ان میں عورتیں بحیثیت ساس کیونکہ ان کی طبیعت ایسی ہوتی ہے وہ کہہ دیتی ہیں کہ بہو کو گھر سے نکالو لیکن حیرت اس وقت ہوتی ہے جب سسر بھی، مرد بھی جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہوئی ہے اپنی بیویوں کی باتوں میں آ کر یا خود ہی بہوؤں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ بلاوجہ بہوؤں پہ ہاتھ بھی اٹھا لیتے ہیں۔ پھر بیٹوں کو بھی کہتے ہیں کہ مارو اور اگر مر گئی تو کوئی فرق نہیں پڑتا اور بیوی لے آئیں گے۔ اللہ عقل دے ایسے مردوں کو۔ ان کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں کہ ایسے مرد بزدل اور نامرد ہیں۔

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”چاہئے کہ بیویوں سے خاوندوں کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں اگر انہیں سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سے اچھا ہے وہ جو اپنے اہل کے لئے اچھا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۰۰۔ ۳۰۱ جدید ایڈیشن)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے (یعنی اس کی رشتہ داروں سے بھی) نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ (کشتی نوح از روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۹)

پھر مرد کے فرائض میں سے بچوں کے حقوق بھی ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ابرار کو اللہ تعالیٰ نے ابرار اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ جس طرح تم پر تمہارے والد کا حق ہے اسی طرح تم پر تمہارے بچے کا حق ہے۔

(الادب المفرد للبخاری باب برالأب لولدہ)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

ایک شخص حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ چمٹانے لگا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس پر رحم کرتا ہے؟ اس پر اس نے کہا جی حضور! تو حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے بہت زیادہ رحم کرے گا جتنا تو اس پر کرتا ہے اور وہ خدا ارحم الراحمین ہے۔ (الادب المفرد للبخاری باب رحمة العيال)

پھر حضرت ایوبؓ اپنے والد اور اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہو۔ (ترمذی ابواب البر والصلة باب فی ادب الولد)

تو اس زمانے میں اور خاص طور پر اس ماحول میں باپوں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ صرف اپنی باہر کی ذمہ داریاں نہ نبھائیں، گھروں کی بھی ذمہ داری ہے۔ اور اس کو سمجھیں کیونکہ ہر طرف سے معاشرہ اور بگاڑنے والا ماحول منہ کھولے کھڑا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ”میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے“۔ (بعض دفعہ بعض باپوں کو سزائیں دینے کا بہت شوق ہوتا ہے) ”گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے“۔ (اپنے آپ کو حصہ دار بنانا چاہتا ہے) ”ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد میں سزا سے کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا ہو اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے“ (کہ اگر مغلوب الغضب نہ ہو، غصے میں نہ ہو بلکہ اگر اصلاح کی خاطر سزا دینی ہو تو اس کو حق ہے) ”کہ کسی وقتِ مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے (یا اس کو معاف کردے) مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔

پھر فرمایا کہ ”جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ

جائیں اور بچوں کے لئے سوزِ دل سے دعا کرنے کو ایک حزب ٹھہرالیں اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے"۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۱۸ جدید ایڈیشن)

حضورانور نے تسلسل میں فرمایا:

ایک روایت ہے، حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں کے ساتھ عزت سے پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

(ابن ماجه ابواب الادب باب برالوالد)

تو اپنے بچوں میں عزت نفس پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی عزت کی جائے، اس کو آداب سکھائے جائیں۔ اس کی ایسے رنگ میں تربیت ہو کہ وہ دوسروں کی بھی عزت اور احترام کرنے والا ہو۔ اس طرح نہ اس کی تربیت کریں کہ اس عزت کی وجہ سے جو آپ اس کی کر رہے ہیں وہ خودسر ہو جائے، بگڑنا شروع ہو جائے، اپنے آپ کو دوسروں سے بالا سمجھنے، دوسروں سے زیادہ سمجھنے لگ جائے اور دوسرے بچوں کو بھی اپنے سے کم تر سمجھے اور بڑوں کا احترام بھی اس کے دل میں نہ ہو۔ تو تربیت ایسے رنگ میں کی جانی چاہئے کہ اعلیٰ اخلاق بھی بچے کو ساتھ ساتھ آئیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو لڑکیوں کے ذریعہ آزمائش میں ڈالے اور وہ ان سے بہتر سلوک کرے وہ اس کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔ (بخاری کتاب الادب)

تو دیکھیں کس قدر خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جن کی لڑکیاں ہیں۔ انسان تو گناہگار ہے۔ ہزاروں لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے بھی قسم قسم کے راستے بخشش کے رکھے ہیں۔ تو لڑکیوں پر افسوس کرنے کی بجائے، جن کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں، ان کو شکر کرنا چاہئے اور ان کی نیک تربیت کرنی چاہئے اور ان کے لئے نیک نصیب کی دعا مانگنی چاہئے۔

لیکن بعض دفعہ ایسے تکلیف دہ واقعات سامنے آتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی بیویوں کو صرف اس لئے طلاق دے دیتے ہیں کہ تمہارے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تو خوف خدا کرنا چاہئے۔ کیا پتہ اگلی شادی میں بھی لڑکیاں ہی پیدا ہوں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور رات کو نماز تہجد کی ادائیگی کے لئے اٹھتے اور عبادت کرتے تھے۔ جب طلوع فجر میں تھوڑا سا وقت باقی رہ جاتا تو مجھے بھی جگاتے اور فرماتے تم بھی دو رکعت ادا کرلو۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

تو مردوں کی ایک سربراہ کی حیثیت سے یہ بھی ذمہ داری ہے کہ متقی بننے اور متقی خاندان کا سربراہ بننے کے لئے خود بھی نمازوں کی پابندی کریں۔ رات کو اُٹھیں یا کم از کم فجر کی نماز کے لئے تو ضرور اُٹھیں۔ اپنی بیوی بچوں کو بھی اُٹھائیں۔ جو گھر اس طرح عبادت گزار افراد سے بھرے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی برکات کو سمیٹنے والے ہوں گے۔ لیکن یاد رکھیں کہ کوشش بھی اس وقت بار آور ہوگی، اس وقت کامیابیاں ملیں گی کہ جب دعا کے ساتھ یہ کوشش کر رہے ہوں گے۔ صرف اٹھا کے اور ٹکریں مار کے نہیں بلکہ دعائیں بھی مسلسل کرتے رہیں اپنے لئے، اپنی بیوی بچوں کے لئے۔ اس لئے اپنی نمازوں میں بھی اپنی بیوی بچوں کے لئے بہت دعائیں کریں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ ﴿أَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ کہ میری بیوی بچوں کی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔ غرض ان کی وجہ سے بھی اکثر انسان پر مصائب شدائد آجایا کرتے ہیں تو ان کی اصلاح کی طرف بھی پوری توجہ کرنی چاہئے اور ان کے واسطے بھی دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۴۵۶۔۴۵۷ جدید ایڈیشن)

پھر آپؑ نے فرمایا کہ میرا طریق کیا ہے کہ میں کس طرح دُعائیں مانگا کرتا ہوں۔ فرمایا کہ میں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت وجلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ دوسرے پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ العین عطا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں (یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلنے والے ہوں)۔ پھر تیسرے فرمایا کہ پھر میں اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔ پھر چوتھے فرمایا کہ میں اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام دعا کرتا ہوں۔ پھر پانچویں فرمایا پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلے سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۰۹۔ جدید ایڈیشن)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی معنوں میں اپنے حقوق و فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے بیوی بچوں کی طرف سے ہمارے لئے تسکین کے سامان پیدا فرمائے اور آنکھیں ٹھنڈی رکھے۔ اللہ کی عبادت کرنے والے ہوں اور نیکیوں پر قائم رہنے والے ہوں اور جب ہمارا اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا وقت آئے تو یہ تسلی ہو کہ ہم اپنے پیچھے نیک اور دیندار اولاد چھوڑے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔

(الفضل انٹرنیشنل۔ ۱۶/جولائی ۲۰۰۴ء تا ۲۲/جولائی ۲۰۰۴ء)

"مہذب ہونے کی سب سے بڑی پہچان ہی یہ ہے کہ کوئی معاشرہ اور خاندان کس حد تک اختلاف برداشت اور جذب کرسکتا ہے۔ دقیانوسی معاشرے اور خاندان کی واضح پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اختلاف برداشت نہیں کرسکتے۔

(ایک دانشور)

مستورات سے خطاب، برموقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ ۲۰۰۴ء:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح باقی جگہوں پر ہمیں مختلف معاملات میں جن میں عورت کے حقوق کا بھی ذکر فرمایا ہے، قرآن مجید نے اور مختلف احکامات دیئے ہیں جن میں عورت کے فرائض کا بھی ذکر فرمایا ہے، اختیارات کا بھی ذکر فرمایا ہے، ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور بعض اوقات قرآن کریم کو غور سے نہ پڑھنے کی وجہ سے ہمیں پتہ نہیں لگتا یا یہاں اس (مغربی) معاشرے میں رہنے کی وجہ سے ہم متاثر ہو جاتے ہیں کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بظاہر یوں لگ رہا ہوتا ہے کہ کہ عورت پر سختی ہے، حالانکہ وہ عورت کی عزت واحترام قائم کرنے کے لئے اور عورت کی گھریلو اور ذاتی زندگی اور معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ جو اس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس معاشرے کی وجہ سے ان لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ خاص طور پر عورتیں سمجھتی ہیں کہ اسلام میں عورت کی حیثیت ایک کم درجے شہری کی ہے۔ اور اصل مقام جو ہے وہ صرف مرد کو دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ غلط پراپیگنڈا ہے جو اسلام دشمنوں نے اسلام کے خلاف کیا ہے۔ اور اس پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی عورتیں جن کو قرآن کریم یا دین کی صحیح تعلیم کا علم نہیں۔ جنہوں نے اس کا صحیح مطالعہ نہیں کیا وہ ان کی باتوں میں آجاتی ہیں۔ خاص طور پر نوجوان نسل بعض دفعہ متاثر ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں نوجوان نسل سے کہتا ہوں۔ یہ دجال کی ایک چال ہے کہ آہستہ آہستہ مسلمان عورتوں کو اُن کا ہمدرد بن کر اسلام سے اتنا دور لے جاؤ کہ اسلام کی آئندہ نسل اُن سوچوں کی حامل ہو جائے جو اسلام کی تعلیم سے دور لے جانے والی ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنا مقصد حاصل کر لیں۔ تو احمدی عورت کو ہمیشہ ان سوچوں سے بچنا چاہئے اور دنیا کو بتا دینا چاہئے کہ تم جو کہہ رہے ہو وہ غلط ہے۔ اسلام نے تو

عورت کو تحفظ دیا ہے اور کوئی مذہب اتنا تحفظ نہیں دیتا۔ اور ہمیں اس زمانے میں جس طرح کھول کر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بتا دیا ہے اس کے بعد تو ممکن نہیں رہ سکتا کہ ایک احمدی عورت ایک دجالی چال یا فتنے میں آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

عورتوں کے حقوق کی جیسی حفاظت اسلام نے کی ہے ویسی کسی دوسرے مذہب نے قطعاً نہیں کی۔ مختصر الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ جیسے مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں ویسے ہی عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ بعض لوگوں کا حال سنا جاتا ہے ان بے چاروں کو پاؤں کی جوتی کی طرح جانتے ہیں اور ذلیل ترین خدمات اُن سے لیتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور وہ پردہ کے ہر حکم کو ایسے ناجائز طریقے سے برتتے ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ چاہئے کہ بیویوں سے خاوندوں کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا تعالیٰ سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورت ہوتی ہے۔ اگر انہی سے اُن کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ سے صلح ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنے اہل کیلئے اچھا ہے۔ تو دیکھیں کتنی وضاحت سے آپؐ نے فرمایا کہ حقوق کے لحاظ سے دونوں کے حقوق ایک جیسے ہیں۔ اس لئے مرد یہ کہہ کر کہ میں قوام ہوں اس لئے میرے حقوق بھی زیادہ ہیں۔ زیادہ حقوق کا حق دار نہیں بن جاتا۔ جس طرح عورت مرد کے تمام فرائض ادا کرنے کی ذمہ دار ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے تمام فرائض ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ فرمایا ہمارے ہاں جو یہ محاورہ ہے کہ عورت پاؤں کی جوتی ہے یہ انتہائی گھٹیا سوچ ہے۔ غلط محاورہ ہے۔ اس محاورے کا مطلب یہ ہے کہ جب عورت سے دل بھر گیا دوسری پسند آ گئی تو اس سے شادی کر لی اُسے چھوڑ دیا اور پہلی بیوی کے جذبات اور احساسات کا خیال بھی نہ رکھا گیا۔ تو یہ انتہائی گھٹیا حرکت ہے۔ عورت کوئی بے جان چیز نہیں ہے بلکہ جذبات اور احساسات رکھنے والی ایک ہستی ہے۔ مردوں کو یہ سمجھایا ہے کہ ایک عرصے تک تمہارے گھر میں سکون کا

باعث بنی۔ تمہارے بچوں کی ماں ہے۔ ان کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتی رہی۔ اب اس کو تم ذلیل سمجھو اور گھٹیا سلوک کرو اور بہانے بنا بنا کر اس کی زندگی اجیرن کرنے کی کوشش کرو۔ تو یہ بالکل ناجائز چیز ہے یا پھر پردہ کے نام پر باہر نکلنے پر ناجائز پابندیاں لگا دو۔ اگر کوئی (بیت الذکر) میں جماعتی کام کے لئے آتی ہے تو الزام لگا دو کہ نہیں نہیں تم کہیں اور جا رہی ہو۔ تو یہ انتہائی گھٹیا حرکتیں ہیں جن سے روکا گیا ہے مردوں کو۔ فرمایا حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ عورت سے اس طرح کا تمہارا سلوک ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے۔ جس طرح دو حقیقی دوست ایک دوسرے کے لئے قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اس طرح کا تعلق رہنا چاہئے عورت مرد کا۔ کیونکہ جس بندھن کے تحت عورت اور مرد آپس کے بندھن میں بندھے ہیں وہ ایک زندگی بھر کا معاہدہ ہے۔ اور معاہدے کی پاسداری بھی اسلام کا بنیادی حکم ہے۔ اور معاہدوں کو پورا کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہرتے ہیں۔ اور چونکہ ایک ایسا بندھن ہے جس میں ایک دوسرے کے راز دار بھی ہوتے ہیں اس لئے فرمایا۔ مرد کی بہت سی باتوں کی عورت گواہ ہوتی ہے۔ کہ اُس میں کیا کیا نیکیاں ہیں؟ کیا خوبیاں ہیں؟ کیا برائیاں ہیں؟ اُس کے اخلاق کا معیار کیا ہے؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر مرد عورت سے صحیح سلوک نہیں کرتا، اُس سے صلح صفائی سے نہیں رہتا، اُس کے حقوق ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیسے ادا کرے گا۔ اس کی عبادت کس طرح کرے گا۔ کس منہ سے اُس خدا سے رحم مانگے گا۔ جب وہ خود اپنی بیوی پر ظلم کرنے والا ہو رہا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے وہی اچھا ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہے۔ اپنی بیوی سے اچھا ہے۔ تو دیکھیں یہ ہے عورت کا تحفظ جو اسلام نے کیا ہے۔ اب کون سا مذہب ہے جو اس طرح تحفظ دے رہا ہو عورت کو۔ اس کے حقوق کا اس طرح خیال رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ؕ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ
يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء : ۲۰)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی کرتے ہوئے عورتوں کا ورثہ لو اور انہیں اس غرض سے تنگ نہ کرو تم جو کچھ اُنہیں دے بیٹھے ہو اُس میں سے کچھ لے بھاگو۔ سوائے اس کے کہ وہ کھلی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوئی ہوں۔ اور اُن سے نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو اور اگر تم اُنہیں ناپسند کرو تو عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اُس میں بھلائی رکھ دے۔

تو فرمایا کہ اے مومنو! جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور اس کے رسولؐ پر بھی ایمان ہے تو اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم تمہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ نے دیئے ہیں اُن پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ عورتوں سے حسن سلوک کرو۔ جن کو تم دوسرے گھروں سے بیاہ کر لائے ہو۔ اُن کے عزیز رشتہ داروں سے، ماں باپ، بہن بھائی، سے جدا کیا ہے اُن کو بلاوجہ تنگ نہ کرو۔ اُن کے حقوق ادا کرو۔ اور حقوق ادا نہ کرنے کے بہانے تلاش نہ کرو۔ الزام تراشیاں نہ کرو۔ اس کوشش میں نہ لگے رہو کہ وہ کس طرح اس عورت کی دولت سے، اگر اس کے پاس دولت ہے، فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ تو اب اس سے فائدہ اُٹھانے کے بھی کئی طریقے ہیں۔ ایک تو ظاہری دولت ہے جو نظر آ رہی ہے بعض مرد عورتوں کو اتنا تنگ کرتے ہیں کہ اُن کو کوئی ایسی بیماری لگ جاتی ہے۔ کئی دفعہ ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ جس سے اُسے کوئی ہوش ہی نہیں رہتا اور پھر اُس عورت کی دولت سے مرد فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں۔ اور پھر بعض دفعہ میاں بیوی کی نہیں بنتی تو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ عورت جو ہے خلع لے لے تاکہ مرد کو طلاق نہ دینی پڑے اور حق مہر نہ دینا پڑے تو یہ بھی مالی فائدہ اُٹھانے کی ایک قسم ہے پھر بیچاری عورتوں کو ایک لمبا عرصہ تنگ کرتے رہتے ہیں حالانکہ حق مہر عورت کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حرکت کسی طور پر بھی جائز نہیں۔ پھر بعض دفعہ زبردستی یا دھوکے سے عورت کی جائیداد لے لیتے

ہیں مثلاً عورت کی رقم سے مکان خریدا اور کسی طرح بیوی کو قائل کر لیا کہ میرے نام کر دو یا کچھ حصہ میرے نام کر دو۔ آدھے حصہ کے مالک بن گئے۔ اور اس کے بعد جب ملکیت مل جاتی ہے تو پھر ظلم کرنے لگ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یا بعض لوگ گھر بیٹھے رہتے ہیں عورت کی کمائی پر گزارہ کر رہے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ اور بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خاوند فوت ہو جائے تو اُس کے رشتہ دار یا سُسرال والے جائیداد پر قبضہ کر لیتے ہیں اور بیچاری عورت کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور اسے دھکے دے کر ماں باپ کے گھروں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ تو یہ سب ظالمانہ فعل ہیں جو ناجائز ہیں تو یہ ہے جو اسلام ہمیں بتا رہا ہے کہ عورت سے اس قسم کے سلوک نہ کرو۔۔۔۔۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

بیوی اسیر کی طرح ہے اگر یہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ پر عمل نہ کرے تو وہ ایسا قیدی ہے جس کی کوئی خبر لینے والا نہیں۔ غرض ان سب کی غور و پرداخت میں اپنے آپ کو بالکل الگ سمجھے اور ان کی پرورش محض رحم کے لحاظ سے کرے نہ کہ جانشین بنانے کے لئے بلکہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کا لحاظ ہو تو فرمایا کہ بیویوں سے حُسن سلوک کرو کیونکہ جب وہ اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے گھر آتی ہیں تو اُن کے ساتھ نرمی اور رحم کا معاملہ ہونا چاہئے اور تقویٰ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ایک لڑکی جب اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر خاوند کے گھر آتی ہے تو اگر اس سے حُسنِ سلوک نہ ہو تو اُس کی اس گھر میں، سُسرال کے گھر میں اگر اکٹھے جوائنٹ فیملی ہے، وہی حالت ہوتی ہے جو ایک قیدی کی ہو رہی ہوتی ہے۔ اور قیدی بھی ایسا جس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ لڑکی نہ خود ماں باپ کو بتاتی ہے نہ ماں باپ پوچھتے ہیں کہ بچی کا گھر خراب نہ ہو تو اگر لڑکی اس طرح گھٹ رہی ہو۔ اس طرح گھٹ گھٹ کر مر رہی ہو تو یہ ظالمانہ فعل ہے۔

حضرتِ اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

کہ یہ مت سمجھو کہ یہ عورتیں ایسی چیزیں ہیں اُن کو بہت ذلیل و حقیر قرار دیا جائے۔ ہمارے ہادی کامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ تم میں

سے بہتر وہ شخص ہے جس کا اپنے اہل کے ساتھ عمدہ سلوک ہو۔ بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور معاشرت اچھی نہیں۔ تو وہ نیک کہاں۔ دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کر سکتا ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک غصے سے بھرا ہوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی بات پر ناراض ہو کر اس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگتی ہے اور بیوی مرگئی۔ اس لئے اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ہاں اگر وہ بے جا کام کریں تو تنبیہ ضروری چیز ہے۔ انسان کو چاہئے کہ عورت کے دل میں یہ بات جما دے کہ وہ کوئی ایسا کام جو دین کے خلاف ہو کبھی بھی پسند نہیں کر سکتا اور ساتھ ہی وہ ایسا جابر و ستم شعار نہیں کہ اس کی غلطی پر چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ ایک جگہ آپؑ نے فرمایا ہے:

''دل دُکھانا بڑے گناہ کی بات ہے اور لڑکیوں کے تعلقات بہت نازک ہوتے ہیں جب والدین اُن کو اپنے سے جُدا اور دوسرے کے حوالے کرتے ہیں''۔ تو یہاں مردوں کو سختی کی اجازت ہے وہ تنبیہ کی اجازت ہے۔ مارنے کی سوائے تو خاص معاملات کے اجازت ہے ہی نہیں۔ وہاں بھی صرف دین کے معاملات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کرنے کے معاملات میں اجازت ہے لیکن جو مرد خود نماز نہیں پڑھتا خود دین کے احکامات کی پابندی نہیں کر رہا۔ وہ عورت کو کچھ کہنے کا کیا حق رکھتا ہے۔

ایک (رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کے بیوی کے ساتھ سختی سے پیش آنے اور اُن سے حسن سلوک نہ کرنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بیویوں سے حُسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ طریق اچھا نہیں اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو۔

۔۔۔۔۔ پھر بعض دفعہ شادی کے بعد میاں بیوی کی نہیں بنتی۔ طبیعتیں نہیں ملتیں یا اور کچھ وجوہات پیدا ہو جاتی ہیں تو اسلام نے دونوں کو ایسی صورت میں علیحدگی کا حق دیا ہے اور یہ

حق مردوں کو طلاق کی صورت میں ہے اور عورتوں کو خلع کی صورت میں بعض شرائط کی پابندی کے ساتھ۔ اور مردوں کو یہ بھی حکم ہے کہ اپنے اس حق کو استعمال کرتے ہوئے عورتوں پر زیادتی نہ کرو۔ کیونکہ اگر اس طرح زیادتی کرو گے تو ظلم ہوگا تو پھر ظلم کی سزا بھی تمہیں ملے گی۔ ایک دوسری آیت وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ کی تشریح میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

اس کا مطلب ہے کہ اگر طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلیں تو پھر یاد رکھیں کہ خدا سننے والا اور جاننے والا بھی ہے۔ یعنی اگر وہ عورت جس کو طلاق دی گئی خدا کے علم میں مظلوم ہو اور پھر وہ عورت بددعا کرے تو خدا اس کی یہ دعا سن لے گا۔ تو یہاں تک مردوں کو ڈرایا ہے۔۔۔۔۔

چار شادیوں کی اجازت بارے حضرت صاحب نے فرمایا:

اسلام نے جو چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے وہ بعض شرائط کے ساتھ دی ہے۔ ہر ایک کو کھلی چھٹی نہیں ہے کہ وہ شادی کرتا پھرے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم تقویٰ پر قائم ہو۔ اپنا جائزہ لو کہ تم جس وجہ سے شادی کرنا چاہتے ہو وہ جائز ضرورت بھی ہے۔ پھر یہ بھی دیکھ لو کہ تم شادی کر کے بیویوں کے درمیان انصاف کرسکو گے کہ نہیں اور اگر نہیں تو پھر تمہیں شادی کرنے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر تم پہلی بیوی کی ذمہ داریاں اور حقوق ادا نہیں کرسکتے اور دوسری شادی کی فکر میں ہو تو پھر تمہیں دوسری شادی کا کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے تو یہاں تک فرمایا ہے۔:

یہ حقوق اس قسم کے ہیں کہ اگر انسان کو پورے طور پر معلوم ہو تو بجائے بیاہ کے ہمیشہ رنڈوا رہنا پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی تادیب کے نیچے رہ کر جو شخص زندگی بسر کرتا ہے، وہی ان کی بجاآوری کا دم بھر سکتا ہے۔ ایسے لذات کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تعزیانہ ہمیشہ سر پر رہے، تلخ زندگی بسر کرلینی ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ تعدد ازدواج کی نسبت اگر ہم تعلیم دیتے ہیں۔ تو صرف اس لئے کہ معصیت میں پڑنے سے انسان بچا رہے اور شریعت نے اُسے بطور علاج کے ہی رکھا ہے۔

عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

یہ اجازت اس طرح عام نہیں ہے خاص حالات میں ہے جب عورتوں کا باغیانہ رویہ دیکھوتو پھر سزا دینے کا حکم ہے۔لیکن اصلاح کی خاطر۔ پہلے زبانی سمجھاؤ پھر علیحدگی اختیار کرو۔ پھر اگر باز نہ آئے اور تمہاری بدنامی کا باعث بنی رہے تو پھر سختی کی بھی اجازت ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسی مار نہ ہو کہ جسم پر نشان پڑ جائے یا کوئی زیادہ چوٹ آئے۔ مغضوب الغضب ہو کر نہیں مارنا بلکہ اصلاح کی غرض سے اگر کوئی تھوڑی سی سختی کرنی پڑے تو کرنی ہے۔ اب عورتیں خود سوچ لیں جو اس حد تک جانے والی عورت ہو۔ اپنے فرائض ادا نہ کرنے والی ہو۔ اپنی بُری صحبت کی وجہ سے بچوں پر بھی بُرا اثر ڈال رہی ہو اور اُن میں بھی بے چینی پیدا کر رہی ہو تو اُس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے۔ کیونکہ پھر اس وجہ سے بچوں کی، آپ کی نسل بھی برباد ہو رہی ہوگی اور معاشرے میں بدنامی بھی ہو رہی ہوگی۔ لیکن ساتھ یہ حکم بھی دے دیا ہے جو عورتیں اپنی اصلاح کر لیں تو پھر بہانے تلاش کر کے اُن پر سختی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اور اس طرح جو عورتیں نیک ہیں فرمانبردار ہیں تمہارے گھروں کی صحیح طرح حفاظت کرنے والیاں ہیں۔ تمہارے اموال کو احتیاط سے خرچ کرنے والیاں ہیں۔ اس رقم میں سے جو تم اُن کو گھر کے اخراجات کے لئے دیتے ہو کچھ بچا کر، پس انداز کر کے تمہارے گھر کی بہتری کے سامان پیدا کرنے والیاں ہیں۔ تمہارے بچوں کی صحیح رنگ میں تربیت کرنے والیاں ہیں۔ اُن بچوں کو معاشرے کا بہترین وجود بنانے والیاں ہیں۔ اُن کا ہر طرح سے مَردوں کو خیال رکھنا چاہئے۔ جیسا کہ میں نے کہا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر سختیاں نہیں کرنی چاہئیے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ مجھے اس پر فضیلت ہے۔ اس لئے جو مرضی کروں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو فرمایا ہے کہ اگر یہ سوچ ہے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی پھر فضیلت ہے۔ اس لئے اُس کی پکڑ سے بچنے کے لئے ہمیشہ انصاف کے تقاضے پورے کرو۔

ایک حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ ہم میں سے کسی پر بھی اس کی بیوی کا کیا حق ہے فرمایا جب خود کھاؤ اسے کھلاؤ، خود پہنو اسے بھی کپڑے پہناؤ، چہرے پر

نہ مارو۔اُسے بُرا بھلا نہ کہو اور ناراضگی کے باعث اگر علیحدہ ہونا پڑے تو گھر میں اکٹھے ہی علیحدہ رہو۔

۔۔۔۔۔ جو عورتیں اپنے گھروں کی حفاظت کرنے والیاں ہیں۔ اپنے خاوندوں کی فرمانبردار اور اولاد کی صحیح تربیت کرنے والیاں ہیں اُن کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے کہ اسماء بنت یزید انصاریہؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے۔تو کہنے لگیں آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ میں آپؐ کے پاس مسلمان عورتوں کی نمائندہ بن کر آئی ہوں۔شرق وغرب کی تمام عورتیں میری اس رائے سے اتفاق کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ مردوں اور عورتوں کے لئے بھیجا ہے۔ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور اُس خدا پر بھی جس نے آپؐ کو مبعوث فرمایا۔ہم عورتیں گھر میں ہی قید اور محصور ہو کر رہ گئی ہیں۔ہم آپ مردوں کی خواہشات کی تکمیل کا سامان کرتیں اور آپ کی اولاد سنبھالے پھرتی ہیں۔اور آپ مردوں کے گروہ کو جمعہ،نماز باجماعت،عیادت مریضان، جنازوں وغیرہ پر جانے اور حج کرنے کے باعث ہم پر فضیلت حاصل ہے۔اس سے بڑھ کر جہاد کرنا بھی ہے۔تم میں سے جب کوئی حج کرنے،عمرہ کرنے یا جہاد کرنے کے لئے چل پڑتا ہے تو ہم تمہارے اموال کی حفاظت کرتی ہیں۔لباس کے لئے روئی کاتتی اور تمہاری اولاد کو پالتی ہیں۔یارسول اللہؐ! پھر بھی ہم آپ کے ساتھ اجر میں برابر کی شریک نہیں ہیں۔حضورؐ نے اپنا رُخ مبارک صحابہ کی طرف پھیرا اور فرمایا! کیا تم نے دین کے معاملے میں اپنے مسئلہ کو اس عمدگی سے بیان کرنے میں اس عورت سے بہتر کسی کی بات سُنی ہے۔صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! ہمیں ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ ایک عورت ایسی گہری سوچ رکھتی ہے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔کہ اے عورت! واپس جاؤ اور دوسری سب عورتوں کو بتا دو کہ کسی عورت کے لئے اچھی بیوی بننا، خاوند کی رضا جوئی اور اس کے موافق چلنا مردوں کی تمام نیکیوں کے برابر ہے۔

(خطاب لجنہ مارکی برموقعہ جلسہ سالانہ" .U.K، 2004ء)

''بیویوں سے حسن سلوک کرو کیوں کہ جب وہ اپنا گھر چھوڑ کر تمہارے گھر آتی ہیں تو ان کے ساتھ نرمی اور رحم کا معاملہ ہونا چاہئے اور تقویٰ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ایک لڑکی جب اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر خاوند کے گھر آتی ہے تو اگر اس سے حسن سلوک نہ ہو تو اس کی سسرال کے گھر میں اگر اکٹھے جوائنٹ فیملی ہے وہی حالت ہوتی جو ایک قیدی کی ہو رہی ہوتی ہے۔اور قیدی بھی ایسا جس کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔لڑکی نہ خود ماں باپ کو بتاتی ہے اور نہ ماں باپ پوچھتے ہیں کہ بچی کا گھر خراب نہ ہو تو اگر لڑکی اس طرح گھٹ رہی ہو۔اس طرح گھٹ گھٹ کر مر رہی ہو تو یہ ظالمانہ فعل ہے''

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ)